طلوعِ اسلام

دسمبر ۱۹۵۳

طلوعِ اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ

۱ تنہا فکرِ انسانی (عقل) زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے کافی نہیں، اسے اپنی راہنمائی کیلئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی۔

۲ یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ اس کے بغیر نوعِ انسانی قرآن کے تجویز کردہ منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتی۔

۳ حق اور باطل کا معیار قرآن ہے۔ ہر وہ بات جو قرآن کے مطابق ہے صحیح ہے، جو اس کے خلاف ہے غلط ہے۔

۴ حضور نبی اکرم انسانی سیرت و کردار کے بلند ترین مقام پر فائز تھے لیکن بدقسمتی سے ہماری تاریخ میں سیرت کے نام سے ایسی چیزیں بیان کی گئی ہیں جن سے حضور کی سیرت داغدار ہو کر سامنے آتی ہے۔ ہماری تاریخ کے ایسے تمام حصے (خواہ وہ کسی کتاب میں ہوں) یکسر غلط اور وضعی ہیں۔ حضور کی سیرت کا صحیح معیار خود قرآن کریم ہے۔

۵ قرآن کی رو سے دنیا میں بسنے والے تمام انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں۔ اس کا عملی طریق یہ ہے کہ تمام دنیا ایک نظام کے مطابق زندگی بسر کرے۔

۶ اس عالمگیر نظامِ زندگی کی تشکیل کی صورت یہ ہو جاتی ہے کہ انسان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین خود مرتب کریں۔ انہیں قوانینِ شریعت کہا جاتا ہے۔ یہ جزئی قوانین حالات کے تبدیل ہونے سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔

۷ اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد معاشرہ میں ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں رہتا۔ اسے ربوبیتِ عالمینی کہتے ہیں جو نوعِ انسانی کی ہر شخص تک پہنچانے کیلئے

۸ ربوبیت کے اس مقصدِ عظیم کے حصول کیلئے قرآن کی رو سے ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے افراد کی ملکیت کی بجائے معاشرہ کی تحویل میں رہیں تاکہ رزق کی تقسیم ہر ایک فرد کی ضرورت کے مطابق ہو۔ اسے قرآنی نظامِ ربوبیت کہا جاتا ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ابتداء پاکستان میں اسکے بعد ساری دنیا میں قرآنی نظامِ ربوبیت قائم ہو جائے تاکہ صحیح معنوں میں ہر انسان کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما پا سکیں اور یہ دنیا نور سے جگمگا اٹھے۔

اگر آپ طلوعِ اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوعِ اسلام کا ساتھ دیجیے

-/10/-

ترجمان حقیقت محترم پرویز صاحب کے قلم سے

سلیم کے نام خطوط

ہمارے نوجوانوں کے دل میں اسلام کے متعلق جسقدر شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کا نہایت شگفتہ شاداب اور سائنٹفک انداز میں تسکین بخش جواب

ان خطوط میں ملت کے اس نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو مخاطب کیا گیا ہے جو مشرق و مغرب کے تصادم کے بعد دور ملوکیت کے وضع کردہ غلط مذہبی تصورات سے متنفر ہوتے ہوئے اسلام اور اس کے سرچشمہ حیات، قران سے بھی ہاتھ دھو چلا تھا۔عقائد و نظریات جیسے خشک اور نازک مسائل پر اس عمدگی سے بحث کی گئی ہے کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کسی خشک فلسفیانہ بحث کو پڑھ رہے ہیں ۔ باتوں باتوں میں وہ دقیق اور معرکہ آراء مسائل حل کرکے رکھ دئے گئے ہیں جنہیں ضخیم مجلدات میں بھی حل نہیں کیا جاسکا تھا ۔ یہ خطوط ملک کے گوشہ گوشہ سے خراج تحسین وصول کرچکے ہیں۔قران کی روشنی اور محترم پرویز صاحب کا بصیرت افروز قلم۔اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں اس مجموعہ میں وہ خطوط بھی شامل ہیں جو طلوع اسلام میں شائع ہوچکے ہیں اور وہ بھی جو ابتک کہیں شائع نہیں ہوئے ۔

کتاب بڑے سائز کے قریب سوا چار سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔کتابت و طباعت دیدہ زیب ۔ کاغذ سفید ۔ گرد پوش مصور مشرق جناب چغتائی کے حسین قلم کا مرقع ۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود قیمت صرف چھ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

ناظم ادارہ طلوع اسلام
کوی روڈ (صدر) ۔ کراچی

اسلامی حیاتِ اجتماعیہ کا ماہوار مجلّہ

طلوعِ اسلام

کراچی

قیمت فی پرچہ	مُرتّب	بدل اشتراک
دس آنے (پاکستانی)	سعید احمد	سالانہ چھ روپے پاکستانی (نو روپے ہندوستانی)
بارہ آنے (ہندوستانی)		" : غیر ممالک سے ۱۲ شلنگ

جلد ۶	دسمبر ۱۹۵۳ء	نمبر ۱۲

فہرستِ مضامین

قرآن نے کیا کہا؟	۴	یہ انکار کیوں؟	۴۳-۴۹
مزاج شناسِ رسول	۵	نقد و نظر	۵۰-۵۳
لمعات	۶-۱۴	۱- قرآنی فیصلے	
طاہرہ کے نام	۱۵-۲۶	۲- جشن نامے	
(محترم پرویز صاحب)		۳- سلیم کے نام	
تنقید مضامین احادیث نزول عیسیٰؑ	۲۷-۴۱	القرآن العظیم	۵۴-۵۸
(علامہ تمنا عمادی)		(محترم مولانا محمد طیب صاحب)	
اپنا خریداری نمبر تلاش کیجئے	۴۱	اعجاز القرآن	۵۹-۶۶
حلقۂ معاونینِ طلوعِ اسلام	۴۲	(علامہ تمنا عمادی)	
		رفتارِ عالم	۶۷-۷۳
		ادارۂ طلوعِ اسلام کی مطبوعات ایک نظر میں	۷۴

قرآن نے کیا کہا؟

آپ تاریخ انسانیت پر نگاہ ڈالئے۔ یہاں سے وہاں تک صید و صیاد کی ایک مسلسل داستان نظر آئیگی جس انسان کے ہاتھ میں ذرا سی قوت آگئی اس نے زیر دست انسانوں کو اپنی ہوسناکیوں اور مفاد پرستیوں کا شکار بنالیا۔ قوت کا سب سے بڑا مظاہرہ بادشاہ (حکمراں) کی شکل میں ہوتا تھا۔ اس کا ہر حکم قانون اور ہر فیصلہ تقدیر مبرم تھا جس سے بچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔

لیکن بادشاہت سے بھی کہیں زیادہ محکم، گہری اور دور رس قوت مذہبی پیشواؤں کو حاصل تھی۔ بادشاہ کا حکم جسموں تک محدود تھا لیکن مذہبی مقتداؤں کی حکومت دلوں پر ہوتی تھی۔ کوئی شخص اگر پولیس اور فوج کی نگاہوں سے اوجھل ہوجاتا تھا تو اپنے آپ کو محفوظ سمجھ لیا کرتا تھا لیکن عقیدہ مذہبی پر مبنی حکومت کا یہ عالم تھا کہ انسان تنہائی کے عالم میں بھی ان کی دسترس سے خائف رہتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ وہ دل کے حالات سے بھی باخبر ہیں اسلئے ان کے خلاف اس کے تصور میں بھی کوئی بات نہیں آسکتی تھی۔ پھر بادشاہ کا تسلط صرف اس کی زندگی تک محدود تھا لیکن مذہبی مقتداؤں کی سطوت ان کے مرنے کے بعد بھی قائم رہتی تھی۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ہوجاتی تھی۔ پہلے اگر ان کے احکام کے سامنے سر جھکایا جاتا تھا تو ان کے مرنے کے بعد ان کی قبروں کی اور ان کے مجسموں کی پرستش شروع ہوجاتی تھی۔

مذہب کی دنیا میں ہر جگہ اور ہر مقام پر یہی سلسلہ چلا آرہا تھا۔ یہ پرستش صرف پروہتوں، پنڈتوں، پیروں، فقیروں، اولیاؤں تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ لوگوں نے حضرات انبیاء کرام کو بھی خدا بنا رکھا تھا اور جگہ جگہ ان کی پرستش ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ مہاتما بدھ جیسے مذہبی پیشوا جو خدا کی ہستی تک کے بھی منکر تھے، خدا بنا دیئے گئے۔

قرآن آیا اور اس نے کھلے کھلے الفاظ میں اعلان کردیا کہ اطاعت صرف خدا کے قانون کی ہوسکتی ہے کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی دوسرے انسان سے اپنا حکم منوائے۔ حتیٰ کہ رسول کو بھی یہ اختیار نہیں کہ وہ خدا کے بندوں سے اپنے احکام منوائے۔ وہ خود بھی خدا کے احکام کی اطاعت کرے گا اور دوسروں کو بھی انہی احکام کی اطاعت کی تلقین کریگا۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ۔ (۳/۷۹)

کسی انسان کیلئے یہ جائز نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے تو وہ لوگوں سے یہ کہنے لگ جائے کہ تم خدا کے احکام کی نہیں بلکہ میرے احکام کی تابعداری کرو۔ وہ یہی کہے گا کہ تم اس ضابطۂ قوانین خداوندی کی اطاعت سے، جسے تم پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو اور جس کی تعلیم عام کرتے ہو ایسے انسان بن جاؤ جو خدا کی صفت ربوبیت عالمین کے مظہر ہوں۔

یہ تھا وہ منشور آزادی جو قرآن نے تمام نوع انسانی کو دیا اور جس کی رو سے غلامی اور محکومی کی تمام زنجیریں کٹ کر انسان کو صحیح حریت نصیب ہوئی۔

اور اس کا عملی ثبوت حضور رسالتمآب نے اپنی سیرت طیبہ میں پیش کردیا جس کی انقلاب انگیز و بہجت افروز یاد میں آج

۱۳ ربیع الاول

کو یہ سطور زینت دہ قرطاس کی جارہی ہیں۔

حریت زاد از ضمیر پاک او ۔۔۔ ایں مئے نوشیں چکید از تاک او

مزاج شناسِ رسول

طلوعِ اسلام برسوں سے اس حقیقت کو بے نقاب کر رہا ہے کہ جماعتِ اسلامی کے پیش نظر ایک ایسی ڈکٹیٹر شپ کا قیام ہے جس کے احکام سے کسی کو مجالِ سرتابی نہ ہو۔ اس ڈکٹیٹر شپ کا صغریٰ کبریٰ یوں قائم کیا جاتا ہے۔

(۱) حکومت کا حق صرف خدا کو حاصل ہے۔

(۲) خدا کی حکومت سے مراد "کتاب و سنت" کی اطاعت ہے۔

(۳) کتاب کی تفسیر سنتِ رسول ہے، لہٰذا کتاب کی اطاعت سے مراد سنتِ رسول اللہؐ کی اطاعت ہے۔

(۴) سنت رسول اللہؐ احادیث کے مجموعوں کے اندر ہے۔

(۵) لیکن احادیث کے مجموعوں میں صحیح اور غلط ہر قسم کی حدیثیں موجود ہیں۔

(۶) اس امر کا فیصلہ کہ کونسی حدیث صحیح ہے اور کونسی غلط صرف وہ شخص کر سکتا ہے جو "مزاج شناس رسولؐ" ہو حتیٰ کہ جن مسائل میں قرآن و سنت سے کوئی چیز نہیں ملتی ان میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر نبی کے سامنے فلاں مسئلہ پیش آتا تو آپ اس کا فیصلہ یوں فرماتے (تفہیمات، از مودودی صاحب صفحہ ۳۲۲)

طلوعِ اسلام یہ کہتا تھا کہ جماعتِ اسلامی کے نزدیک یہ "مزاج شناس" ان کے امیر ابو الاعلیٰ صاحب مودودی ہیں۔ اس پر بعض لوگ اعتراض کرتے تھے کہ یہ محض سوءِ ظن ہے۔ مودودی صاحب محض ایک نظریہ بیان کر رہے ہیں لیکن اب اس کی تصدیق ہو گئی کہ طلوعِ اسلام کا خیال حقیقت پر مبنی تھا۔ چنانچہ مودودی صاحب کے دستِ راست، امین احسن اصلاحی صاحب نے تحقیقاتی عدالت میں بیان دیتے ہوئے بتایا کہ وہ مودودی صاحب کو "مزاج شناس رسولؐ" سمجھتے ہیں۔

ہمیں اس سے غرض نہیں کہ لوگ اپنی مفاد پرستیوں کیلئے کیا کچھ کرتے ہیں، جب مذہب پیشہ بن جائے تو اس میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ لیکن ہمیں دکھ اس احساس سے ہوتا ہے کہ ـــ بازی بازی با ریش بابا ہم بازی ـــ مسلمان جب مفاد پرستی پر اترتا ہے تو اس کے ہاتھوں نہ خدا بچتا ہے اور نہ اس کا رسولؐ۔ ہمارے بادشاہوں نے جب اپنی ملوکیت کے شکنجوں کو مضبوط کرنا چاہا تو اپنے آپ کو ظل اللہ قرار دے لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس قسم کے یہ خود تھے اسی قسم کا خدا کا تصور مسلمانوں میں رائج ہو گیا۔ یعنی ایک شخصی مطلق العنان، مستبد حاکم کا تصور جسے نہ قانون سے کچھ تعلق ہے نہ قاعدے سے واسطہ۔ جسے چاہتا ہے باندھ لیتا ہے جسے چاہتا ہے چھوڑ دیتا ہے۔ وقس علیٰ ہٰذا۔

اس کے بعد ہمارے دور میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اپنے آپ کو ذاتِ رسالتمآبؐ کا ظل اور بروز بنا کر پیش کر دیا اور قطعاً نہ سوچا کہ اس کی اس جسارت سے حضور رسالتمآبؐ کی (معاذ اللہ) کسقدر توہین ہوتی ہے۔ حضورؐ کی ذاتِ گرامی شرفِ انسانیت کے اس مقام بلند پر ہے جہاں انسان کا تصور بھی نہیں جا سکتا۔ لیکن اس دعوے کے بعد دنیا نے اسی "ظل" پر "اصل" کا قیاس کرنا شروع کر دیا۔ اور یوں حضورؐ کی شخصیت کو اس پست سطح پر لا کر کھڑا کر دیا جس کے خیال سے ہمیں منہ جھرجھری آجاتی ہے۔

اور اب یہ صاحب اٹھے ہیں تو اس دعوے کے ساتھ کہ میں "مزاج شناس رسولؐ" ہوں۔ اگر کوئی ایسی بات سامنے آجائے جس میں قرآن و سنت سے کوئی چیز نہ ملتی ہو تو میرے پاس آؤ۔ جو کچھ میں کہوں اس کے متعلق یہ سمجھو کہ اگر رسول اللہؐ اس وقت موجود ہوتے تو وہ بھی وہی کہتے۔

استغفر اللہ! معاذ اللہ! کتنی بڑی ہے یہ گستاخی اور کسقدر شرمناک ہے یہ بیباکی! گستاخی اور بیباکی! اس ذاتِ اقدس و اعظم کے خلاف جس کے مرتبہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ

ادبگاہیست زیر آسمان از عرش بالاتر — نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

طلوعِ اسلام نے اپنی سابقہ اشاعت میں لکھا تھا (اور اس بات کو اس نے پہلی دفعہ نہیں کہا تھا بلکہ اس حقیقت کو دہرایا تھا جسے وہ شروع سے پیش کرتا چلا آرہا تھا) کہ ایک ایسی مجلس دستور ساز میں جو اپنے دستور کی بنیاد کتاب و سنت پر رکھنے کی مدعی ہو، غیر مسلم ارکان کی شرکت نہ صرف بے معنی بلکہ مضحکہ انگیز کی سی ہے۔ اسلئے کہ جب آپ نے اپنا آئین اپنی کتاب اور اپنے رسول کی سنت کے مطابق مرتب کرنا ہے تو اس باب میں اول تو کسی غیر مسلم کو دخل اندازی کا حق ہی کیا ہو سکتا ہے اور دوسرے یہ کہ وہ کوئی مفید مشورہ دے بھی کیسے سکتا ہے چنانچہ اسی پوزیشن کے پیش نظر ہم نے کہا تھا کہ مجلس دستور ساز کو چاہیئے کہ تدوین آئین کے متعلق مجلس کے غیر مسلم ارکان کی پوزیشن کو واضح کر دیا جائے۔ ہماری مجلس آئین ساز تو اس مسئلہ میں بھی حسب معمول جھجکتی ہی رہی (یا شاید انھیں اس مضحکہ انگیز پوزیشن کا احساس ہی نہیں تھا، کیونکہ جیسا کہ ذرا آگے چل کر نظر آئے گا، انھیں خود کتاب و سنت کی اہمیت کا بھی پورا پورا احساس نہیں) لیکن اس پوزیشن کو خود ہندو ممبروں نے واضح کر دیا جب وہ یہ کہہ کر ایوان سے باہر نکل گئے کہ پاکستان کی مملکت کا نام اسلامی جمہوریہ رکھا جا رہا ہے اور آئین کی عمارت دو جداگانہ قوموں کے نظریہ پر اٹھائی جا رہی ہے۔ ان کے اس بائیکاٹ کے فیصلہ پر ہماری طرف سے جو انداز اختیار کیا گیا وہ بڑا معروضانہ تھا، جس کا مقصد یہ نظر آتا تھا کہ ہندوؤں کو یہ کہہ کر راضی کر لیا جائے کہ آپ تو یونہی ناراض ہو گئے ہمارا منشا تو ہرگز یہ نہیں۔ یہ تو محض لفظی اصطلاحات ہیں وغیرہ وغیرہ، حالانکہ انھیں بتانا یہ چاہیئے تھا کہ جس بات کے خلاف تم آج صدائے احتجاج بلند کر رہے ہو وہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہمارا پاکستان کا مطالبہ دو قوموں کے نظریہ پر مبنی تھا۔ تشکیل پاکستان کے لئے ہماری جدوجہد کا جذبہ محرکہ یہ تھا کہ ہم اس خطۂ زمین میں اسلامی نظام رائج کر سکیں۔ اور اس طرح ہم اپنے تصورات کے مطابق زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکیں۔ ہمارے یہ دعاوے اور یہ مقاصد کوئی ڈھکے چھپے نہیں تھے۔ تم سب ان سے واقف تھے۔ انہی کی بنا پر تم تحریک پاکستان کی مخالفت کرتے رہے۔ لیکن جب پاکستان بن گیا تو تم یہ کچھ جانتے بوجھتے اس کی مجلس آئین ساز میں شریک ہوئے۔ تم اس میں چھ سال سے برابر شرکت کرتے چلے آرہے ہو۔ اسی مجلس نے وہ قرارداد مقاصد منظور کی جس میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کے خلاف تم آج صدائے احتجاج بلند کرتے ہو۔ ان حالات کے پیش نظر سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں یہ باتیں آج ایسی ناگوار کیوں گذر رہی ہیں کہ تم اس ایوان میں بیٹھنا تک گوارہ نہیں کر سکتے۔ تمہیں اس کا فیصلہ پہلے دن کر لینا چاہیئے تھا۔ ہم اس حقیقت کے اعلان کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہماری قومیت کا مدار وطن کا اشتراک نہیں بلکہ ہمارا دین ہے۔ ہم نے اس خطۂ ارض کو حاصل اس لئے کیا ہے کہ یہاں اس دین کے مطابق حکومت قائم کریں۔ اس حکومت میں غیر مسلم رعایا کو اس قدر امن نصیب ہوگا کہ جس کا وہ کسی اور ملک میں تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مذہب کے معاملہ میں ان پر کوئی زبردستی

نہیں کی جائے گی۔ وہ اپنے شخصی معاملات کو اپنے مذہبی احکام کے مطابق طے کرنے کے مجاز ہوں گے۔ ان کے جان، مال، عزت، عصمت اور معابد کی حفاظت ہمارے ذمہ ہوگی۔ لیکن امور مملکت میں ان کو شریک نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ ہمارے دین کے مطابق طے ہوں گے۔ اور ہمارے دین میں کوئی غیر مسلم دخل نہیں دے سکتا۔ ان حقائق کو ان پر واضح کر دینا چاہئے تھا اور اس کے ساتھ ہی انھیں اطمینان دلانا چاہئے تھا کہ وہ گھبرائیں نہیں۔ اسلام کا جو نقشہ ان کے ذہن میں ہے وہ یکسر غلط فہمیوں پر مبنی ہے قرآن جس اسلام کو پیش کرتا ہے اس میں کسی شریف انسان کے لئے گھبراہٹ کی کوئی بات نہیں۔ یہ کچھ انھیں اتمام حجت کے لئے کہدینا چاہئے تھا۔ اس لئے کہ بات یہ نہیں کہ یہ لوگ کسی غلط فہمی کی بنا پر ایسا کچھ کر رہے ہیں بلکہ جیسا کہ قرآن نے بصراحت کہہ دیا ہے (اور جسے ہم ہندوستان میں بھی دہراتے رہے ہیں اور یہاں بھی متعدد بار دہرا چکے ہیں) یہ لوگ ہماری بہبودی اور مرفہ الحالی سے کبھی خوش نہیں ہو سکتے، یہ دل سے کبھی ہمارے اپنے نہیں بن سکتے، ان کے دلوں میں ہمارے خلاف نفرت اور عداوت کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوتے ہیں جن میں سے بعض جذبات کا مظاہرہ کبھی کبھی اس قسم کی حرکات سے ہو جاتا ہے، جیسی حرکت ان لوگوں سے اب سرزد ہوئی ہے اور جس کا اعادہ پنڈت جواہر لال نہرو کی اس تقریر میں کیا گیا ہے جو انھوں نے ہندوستان میں اس دن کی جب ہماری مجلس آئین ساز منتشر ہو چکی تھی۔

لیکن افسوس اس پر نہیں کہ ہندوؤں نے اس باب میں کیا کہا اور کیا کیا۔ ان کے فیصلے اور اعلانات قابل فہم ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ خود ہمارے اپنے ہاں اسلام اور اس کے اصولوں کے متعلق دلوں میں وہ یقین موجود نہیں جس کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ جوں جوں مخالفتیں شدید ہوتی جاتی ہیں وہ یقین بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ہم میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں (بلکہ اکثریت انہی کی ہے) جو اپنے دل کی گہرائیوں میں یہی سمجھتے ہیں کہ اسلامی تصور حیات اور دو قوموں کا نظریہ وغیرہ محض سلوگن تھے جنھیں حصول پاکستان کے لئے بطور دلیل کے استعمال کر لیا گیا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد اس دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اسلئے اب یہاں وطنیت کی بنا پر تمام پاکستانیوں کو ایک قوم سمجھنا چاہئے اور ڈیموکریسی کے اصولوں پر (اسلام کو درمیان میں لائے بغیر) ایک حکومت بنا لینی چاہئے۔ ہم خوش ہوتے اگر یہ لوگ کھل کر باتیں کر لیتے۔ اور اگر اکثریت انہی کی ہے تو پھر اسی کے مطابق پاکستان کے مستقبل کی تشکیل کر لیتے۔ اس لئے کہ قرآن کی رو سے منافقت، کھلے ہوئے کفر سے بھی بدتر ہے۔ اسلام کو کسی مفاد کے حصول کے لئے بطور آلۂ کار استعمال کرنا (خواہ وہ مقصد کتنا ہی فائدہ بخش اور ایسا کرنے کی نیت کتنی ہی مخلص کیوں نہ ہو) قرآن کی میزان میں منافقت ہی قرار پاتی ہے اور اسلام جسقدر نقصان منافقین کے ہاتھوں سے پہنچا ہے کھلے ہوئے مخالفین کے ہاتھوں سے نہیں پہنچا۔

اب آیئے "اسلامی" آئین سازی کی طرف، یہ شق منظور کر لی گئی ہے کہ ملک میں کوئی قانون ایسا رائج نہیں کیا جائے گا جو قرآن اور سنت کے خلاف ہو۔ قرآن کے متعلق مسلمان تو ایک طرف غیر مسلموں تک کو بھی پتہ ہے کہ یہ کیا چیز ہے۔ دنیا کے کسی حصہ میں کسی سے بھی قرآن مانگئے وہ آپ کو وہی قرآن دیگا جو دنیا کے دوسرے حصوں میں آپ کو ملے گا۔ یعنی قرآن ایک متعین کتاب کا

نام ہے جس میں کہیں زیر زبر تک کا بھی اختلاف نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا "سنت" بھی کسی اسی قسم کی کتاب کا نام ہے؟ اگر نہیں تو مجلس دستور ساز کو یہ بتانا چاہیے تھا کہ سنت کسے کہتے ہیں اور یہ مستند اور مصدقہ طور پر کس کتاب میں مل سکتی ہے۔ جہاں تک موروثانہ بحثوں اور مناظروں کا تعلق ہے "سنت" کو مبہم رکھنے ہی میں فائدہ رہتا ہے۔ لیکن جب کسی ملک کے آئین کا مدار سنت پر ہو تو سنت کو مبہم رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ آپ آئینی طور پر ایک قدم بھی یقینی اور حتمی انداز سے نہیں اٹھا سکتے۔ لیکن مشکل تو یہ ہے کہ اس ابہام کو دور کون کر سکتا تھا؟ اگر مجلس آئین ساز "سنت" کی تعریف (DEFFINITION) کی کوشش کرنے بیٹھ جاتی تو تدوین آئین کی گاڑی یہیں رک جاتی۔ لیکن اس کے غیر متعین اور مبہم چھوڑ دینے سے مسئلہ کا حل تو نہیں ہو گیا۔ اس سوال کو بہرحال سپریم کورٹ کے سامنے آنا ہے۔ وہاں جب تک قانونی طور پر یہ طے نہیں ہو جائے گا کہ سنت کسے کہتے ہیں وہ فیصلہ ہی نہیں کر سکے گا کہ مسئلہ زیر نظر سنت کے خلاف ہے یا نہیں۔ بنابریں یہ سوال اس وقت زیر بحث آئے گا اور اس وقت معلوم ہو گا کہ مجلس دستور ساز جس مرحلہ سے یونہی، کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے آگے بڑھ گئی تھی اور اس سے خوش ہو گئی تھی کہ ہم نے ایک ناقابل عبور مرحلہ طے کر لیا ہے وہ مرحلہ درحقیقت طے نہیں ہوا تھا۔

یاد رکھئے۔ دنیا میں وہی قومیں زندہ رہ سکتی ہیں جو حقائق کا سامنا کرتی ہیں، نہ وہ قومیں جو گریز کی راہیں تلاش کرتی ہیں اور حقائق سے کنی کترا کر نکل جانا چاہتی ہیں۔ حقائق اپنی جگہ پر قائم رہا کرتے ہیں اور ان سے چشم پوشی کرنے والے مٹ جایا کرتے ہیں۔

دوسرا فیصلہ یہ ہوا کہ کتاب و سنت کی تعبیر ہر فرقہ کیلئے اپنی اپنی ہو گی۔ قطع نظر اس کے کہ فرقوں کا وجود جسے قرآن بنص صریح شرک قرار دیتا ہے انہیں "اسلامی آئین" میں بطور مسلمات کے تسلیم کر لیا گیا ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر ہر فرقہ کے لئے الگ الگ قانون ہو گا تو پھر مملکت پاکستان کے لئے یہ ہیئت مجموعی کونسا قانون نافذ ہو گا۔ مثلاً اگر آپ نے یہ قانون پاس کر دیا کہ پاکستان میں زنا کا ارتکاب جرم ہے تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتانا ہو گا کہ زنا کہتے کسے ہیں۔ اب کسی فرقہ نے یہ کہدیا کہ "کتاب و سنت" کی ہماری تعبیر کے مطابق زنا کی یہ تعریف نہیں ہے تو اس صورت میں کیا یہ فرقہ زنا کے اس قانون سے مستثنیٰ قرار دیدیا جائے گا۔ اور پھر اس کا کیا ثبوت ہو گا کہ ملزم اس فرقہ سے متعلق ہے جس نے اپنے آپ کو زنا کی ان حدود سے باہر رکھا ہوا ہے۔ یا مثلاً اگر آپ یہ فیصلہ کریں کہ اس قدر زمین سے زیادہ کسی کے پاس زمین نہیں رہنی چاہئے اور کئی فرقے ایسے اٹھ کھڑے ہوں جو یہ کہیں کہ ملکیت زمین کی تحدید کتاب و سنت کی ہماری تعبیر کے خلاف ہے تو کیا یہ لوگ اس قانون سے مستثنیٰ قرار دیدیئے جائیں گے؟

حقیقت یہ ہے کہ مختلف فرقوں کی کتاب و سنت کی تعبیر کے معنی ہیں ان فرقوں کی اپنی اپنی فقہ۔ جب صورت یہ ہے تو پھر موجودہ شکل میں اور اس اسلامی آئین کی ترویج کے بعد کی شکل میں عملاً فرق کیا ہوا۔ یہاں پھر اس گریز سے کام لیا گیا ہے جس کی طرف ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں، یاد رکھئے، عمل، تجربہ اور زمانہ کی ٹھوکریں مار مار کر وہیں لے آئیں گی جہاں قرآن لانا چاہتا ہے،

اور جس مقام کی طرف دعوت دینے کی سعادت طلوع اسلام کو حاصل ہوئی ہے یعنی اسلامی آئین اور قانون کی بنیاد قرآن اور امت کی مشاورت پر ہے۔ لیکن معلوم نہیں کہ ان تجربوں کے دوران میں زمانہ کی ٹھوکریں خود ہمارا حشر کیا کر دیں گی، اس لئے کہ خدا کا قانون بڑا سخت گیر ہوتا ہے۔ اس وقت شاید نہ ہم ہوں گے نہ آپ لیکن آنے والی نسلیں یہ دیکھیں گی کہ قرآن کی مخالفت کیا نتائج پیدا کیا کرتی ہے۔

ایک شق یہ منظور ہوئی ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے ایک ادارہ قائم کیا جائے۔ اس شق میں پھر یہ نہیں بتایا گیا کہ امر بالمعروف کیا ہوتا ہے اور نہی عن المنکر کسے کہتے ہیں۔ ان آئین سازوں کو کون بتائے کہ ایک اسلامی مملکت جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیتی ہے انھیں معروف کہا جاتا ہے اور جن سے روکتی ہے انھیں منکر کہا جاتا ہے۔ حکومت کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی تنفیذی مشینری (Executive) کے ذریعہ لوگوں سے اول الذکر کاموں کو کرائے اور انھیں ثانی الذکر کاموں سے روکے۔ بالفاظ دیگر حکومت کا وجود ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے ہوتا ہے۔ اگر یہ کام کسی اور ادارہ کے سپرد کر دیا جائے تو پھر حکومت کس مقصد کے لئے باقی رہ جاتی ہے۔ مثلاً حکومت نے قانون یہ پاس کیا کہ ہر شخص سے اتنا انکم ٹیکس لیا جائے اور لوگوں کو روکا جائے کہ وہ جوا نہ کھیلیں۔ یہ حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ انکم ٹیکس وصول کرے اور لوگوں کو جوا کھیلنے سے قانوناً روکے اس کا نام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اگر یہ کام مولویوں اور واعظوں کے سپرد کیا جاتا ہے تو پھر حکومت پاکستان کیا کرے گی۔ اصل یہ ہے کہ ان لوگوں کو معلوم ہی نہیں تھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے معنی کیا ہیں۔ کتنی بدبختی ہے اس قوم کی جس کے لئے آئین ایسے لوگ بنائیں جو ان الفاظ کے معنی بھی نہ سمجھیں جو انھوں نے آئین بنانے میں استعمال کئے۔ ان لوگوں نے سمجھ لیا کہ قوم کو یہ کہنے کی ضرورت ہوگی کہ درود شریف کے فضائل کیا ہیں۔ قرآن کے ایک ایک حرف سے کتنی کتنی نیکیوں کا ثواب ہوتا ہے۔ پاجامہ ٹخنوں سے نیچا نہیں ہونا چاہئے وغیرہ امور "امر بالمعروف ونہی عن المنکر" ہیں۔ لہٰذا ایک اسلامی مملکت کا فرض ہے کہ وہ واعظوں اور مولویوں کو ملازم رکھے جو لوگوں میں جا کر ان باتوں کا وعظ کہا کریں۔ اس مقصد کے لئے یہ ادارہ تجویز ہوا۔

اس باب میں سب سے بڑی شق وہ ہے جس کے متعلق ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کن الفاظ میں تبصرہ کریں۔

قرآن نے پرانے زمانے کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ یہ واقعہ مدین میں رہنے والی قوم سے متعلق ہے جن کی طرف حضرت شعیبؑ اس مقصد کے لئے بھیجے گئے تھے کہ وہ انھیں قوانین خداوندی سے آگاہ کریں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیبؑ نے جب انھیں خدا کی طرف دعوت دی تو انھوں نے مذہب کے عام تصور کے مطابق یہ سمجھا کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ خدا کی بندگی کر لیا کرے اسے انھوں نے چنداں قابل اعتراض نہ سمجھا اور حضرت شعیبؑ سے کہدیا کہ ہاں تم اپنے طریق سے نماز پڑھ لیا کرو لیکن

انھوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں دیکھ لیا کہ شعیبؑ کی "نماز" پوجا پاٹ تو نہیں، یہ تو کچھ اور ہی ہے۔ چنانچہ انھوں نے حضرت شعیبؑ سے کہا کہ تم یہ کیا کرتے ہو۔ انھوں نے جواب میں کہا کہ تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ تمہیں میری صلوٰۃ پر کوئی اعتراض نہیں، اس پر انھوں نے تعجب اور غصہ سے کہا:

قالوا یٰشعیب اصلوتك تامرك ان نترك ما یعبد اٰباؤنا او ان نفعل فی اموالنا ما نشاء ..... (۱۱/۸۷)

اے شعیبؑ! کیا تیری صلوٰۃ تجھے یہ کہتی ہے کہ ہمیں ان ہستیوں کی اتباع سے روک دے جن کی اطاعت ہمارے آباواجداد کرتے چلے آرہے ہیں اور یہ کہ ہم اپنی مال و دولت کو بھی اپنی مرضی کے مطابق خرچ نہ کریں۔

یعنی قوم شعیبؑ کو اس پر تعجب تھا کہ یہ کس قسم کی صلوٰۃ ہے جو ہم سے یہ کہتی ہے کہ مالیات کو بھی خدا کے قانون کے تابع رہنا چاہئے۔ ہم سمجھتے تھے کہ مذہب کا دائرہ مسجدوں تک محدود ہے لیکن شعیبؑ کا مذہب تو یہ کہتا ہے کہ ہم اپنے مال و دولت میں بھی اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہیں کر سکتے۔ ہم اس قسم کے مذہب کی تبلیغ کی اجازت نہیں دے سکتے۔

غور کیجئے کہ آج ۱۹۵۳ء میں مملکتِ پاکستان کے دارالسلطنت کے ایوان مجلس دستور ساز میں کس طرح حرفاً حرفاً اسی آواز کو دہرایا گیا ہے جو آج سے تین چار ہزار سال پہلے مدین کی بستی میں بلند ہوئی تھی۔ اسی ایوان میں مسلمانوں کے آٹھ کروڑ نمائندوں نے پہلے خدا کو حاضر و ناظر جان کر یہ اعلان کیا کہ ہمارا آئین خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت پر مبنی ہوگا۔ اور اس کے بعد اسی زور سے یہ اعلان کیا کہ کتاب و سنت کا دائرہ، نماز اور روزہ اور وضو اور غسل کے مسائل تک محدود ہوگا۔ مملکت کے مالیات اس دائرہ سے پچیس سال تک باہر رہیں گے اور پچیس سال کے بعد کمیٹی بٹھائی جائے گی جو یہ سوچے گی کہ مالیات کو اس دائرہ سے باہر ہی رہنا چاہئے یا اندر لے آنا چاہئے۔ کتاب اور سنت کے ساتھ اس سے بڑا مذاق شاید ہی کبھی ہوا ہو۔

ہمارا دور، دورِ معاشیات کہلاتا ہے اسلئے یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ قوموں کی زندگی کا دار و مدار ہی مالیات پر ہے۔ لیکن آج سے قریب ڈیڑھ ہزار سال پہلے جب ہنوز معاشیات کو یہ اہمیت حاصل نہیں تھی اس وقت بھی جب حضرت عمرؓ سے پوچھا گیا کہ حکومت کا بنیادی فریضہ کیا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ یہ چیز دو مختصر سے ٹکڑوں میں سمٹ کر آجاتی ہے کہ مِنْ اَیْنَ اِکْتَسَبَ وَفِیْمَا اَنْفَقَ یعنی یہ دیکھنا کہ کن ذرائع سے مال حاصل کیا گیا ہے اور کن راہوں پر اسے خرچ کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ محور ہے جس کے گرد انسان کی پوری تمدنی زندگی گردش کرتی ہے، اگر مال کو درمیان سے نکال لیا جاوے تو پھر سوائے چند نجی مسائل کے اجتماعی زندگی میں باقی ہی کچھ نہیں رہ جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ان نجی مسائل کے لئے تو مختصر سے احکام دیدیئے لیکن اپنی تعلیم کا باقی سارا حصہ اسی کے لئے وقف کر دیا کہ انسان کا معاشی نظام کیسا ہونا چاہئے۔ جہاں تک رسول اللہ کا تعلق ہے وہ تو انگریز کے وقت میں بھی کتاب و سنت کے تابع تھا۔ یہ تو ہماری معاشی دنیا تھی جسے ہم انسانوں کے خود ساختہ قوانین سے نکال کر خدا کے قانون کے تابع لانا چاہتے تھے۔ اگر ہماری یہ زندگی انسانوں کے خود ساختہ قوانین ہی کے تابع رہنی ہے تو ایک مومن کی حیثیت سے اُس غلامی اور اس آزادی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

سوال بالکل صاف ہے۔ اگر آپ ایمانداری سے سمجھتے ہیں کہ اگر مالیات کو قانونِ خداوندی کے تابع رکھدیا گیا تو موجودہ دور میں جبکہ معاشی مسائل اس قدر پیچیدہ ہو چکے ہیں ہم دنیا کے ساتھ نہیں چل سکیں گے تو پھر نہایت صفائی سے اس کا اعلان کیجئے اور مصطفےٰ کمال کی طرح کہدیجئے کہ مذہب کو سیاست سے کوئی واسطہ نہیں۔ مذہب کا دائرہ پرسنل لا تک ہے مالیات وغیرہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

اور اگر صورت یہ ہے کہ آپ کو اس کا علم نہیں کہ مالیات کے متعلق خدا کا قانون کیا کہتا ہے تو پھر ان لوگوں سے پوچھئے جو اس باب میں علم رکھتے ہیں اور پھر فیصلہ کیجئے کہ ان قوانین کے تابع مالیات کو لا کر آپ دنیا میں چل سکتے ہیں یا نہیں۔ اس کیلئے پچیس سال کا توقف کیوں ہے۔ یہ کام آج ہی کیوں نہیں شروع کیا جا سکتا۔ اس باب میں ہم اتنا عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ اگر آپ قانونِ خداوندی سے مراد لیں گے موجودہ فقہ تو یہ واقعی آپ کو دنیا کے ساتھ نہیں چلنے دیگا اور اگر آپ اس سے مراد لیں گے روایات کے مجموعے تو اس سے بھی آپ کسی فیصلہ کن نتیجہ پر نہیں پہنچ سکیں گے، کیونکہ ان میں آپ کو ہر نظریہ کی تائید اور اس کی تردید میں روایات ملتی جائینگی لیکن اگر آپ قرآن کی روشنی میں اپنے زمانے کے معاشی تقاضوں کا حل چاہیں گے تو اس سے نہ صرف یہ کہ آپ باقی دنیا کے ساتھ چلنے کے قابل ہو جائیں گے بلکہ دنیا کو آپ وہ کچھ دے سکیں گے جس کی تلاش میں آج دنیا اس طرح مضطرب و بیقرار ماری ماری پھر رہی ہے۔

ہم یہ باتیں محض رسماً اور عقیدۃً نہیں لکھ رہے بلکہ قرآن نے نوعِ انسانی کیلئے جو معاشی نظام تجویز کیا ہے اسے جناب محترم پرویز صاحب کی قرآنی بصیرت نے "نظامِ ربوبیت" کی صورت میں مرتب فرما دیا ہے اور وہ عنقریب دنیا کے سامنے آجائے گا۔

لیکن اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ زندگی کے بعض مسائل کو قانونِ خداوندی کے تابع رکھکر اور بعض مسائل کو اس سے الگ ہٹ کر کامیابی کی صورت دیکھ لیں گے تو اس کے متعلق ہم سے نہیں قرآن سے پوچھئے جس کا فیصلہ یہ ہے (افتؤمنون ببعض الکتٰب و تکفرون ببعض) کیا یہ لوگ اس قسم کی روش اختیار کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری کتاب کے ایک حصہ کو تو اختیار کر لیں اور دوسرے حصہ کو چھوڑ دیں۔ اگر یہ ایسا ہی چاہتے ہیں تو انھیں سن رکھنا چاہئے کہ (فما جزاء من یفعل ذٰلک منکم الا خزی فی الحیوۃ الدنیا ویوم القیٰمۃ یردون الیٰ اشد العذاب وما اللہ بغافل عما تعملون) تم میں سے جو کوئی بھی اس قسم کی روش اختیار کرے گا تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں نکلے گا کہ تمہاری حال کی زندگی میں تمہیں ذلت اور رسوائی نصیب ہوگی اور مستقبل کی زندگی میں تم سخت تباہی میں گھر جاؤ گے۔ یاد رکھو، ہمارا قانونِ مکافات ایسا نہیں کہ وہ اس فریب میں آجائے کہ تم ہمارے قانون کے ایک حصہ کو اپنا کر مومن بن گئے ہو اس لئے اگر دوسرے حصہ کو چھوڑ بھی دیا ہے تو مضائقہ نہیں۔

اصل یہ ہے کہ ہم لوگوں نے کبھی سوچا ہی نہیں کہ خدا کا قانون کیا ہے اور اس کی اطاعت کے معنی کیا ہیں۔ خدا کا قانون یہ نہیں کہ اگر ایک مزدور نے آدھے دن تک کام کیا اور باقی آدھا دن ناغہ کر گیا تو اسے آدھے دن کی مزدوری مل جائیگی۔ اس کے قانون کی مثال یوں سمجھئے کہ تپ دق کے مریض کو ڈاکٹر نے نسخہ لکھ کر دیا اس کے ساتھ ہی پرہیز بھی بتا دیا۔ اب اگر وہ یہ کرے کہ اس نسخہ میں سے آدھی

دوائیاں لیکر پینا شروع کردے اور جن جن چیزوں سے پرہیز بتایا گیا تھا ان میں سے کچھ کھاتا رہے کچھ چھوڑ دے تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ مریض کبھی اچھا ہو سکتا ہے۔ خدا کا قانون انسان کو تماماً دیکھتا ہے اسلئے وہ اپنے خوشگوار نتائج اسی صورت میں مرتب کرتا ہے جب اسے تماماً اختیار کیا جائے۔ اگر آپ زمین کو زراعت کے لئے بڑی محنت سے تیار کرتے ہیں، اس میں اچھے سے اچھا بیج بھی ڈالتے ہیں اس کی رکھوالی بھی کرتے ہیں لیکن اسے پانی نہیں دیتے تو کیا آپ توقع کر سکتے ہیں کہ آپ کی کھیتی پروان چڑھے گی اور غلہ آپ کے گھر آجائے گا۔ غلہ کا گھر آنا تو ایک طرف آپ کی ساری محنت رائیگاں جائے گی اور بیج کے دام بھی گرہ سے دینے پڑیں گے۔ لہذا قانون خداوندی کی کسی ایک شق کو لے لینا اور دوسری شق کو چھوڑ دینا سوائے نقصان کے کوئی اور نتیجہ مرتب نہیں کر سکے گا۔ یاد رکھئے خالص ایمان بھی اپنے نتائج مرتب کرتا ہے اور خالص کفر بھی لیکن ان دونوں کے امتزاج سے جو روش اختیار کی جاتی ہے جسے قرآن شرک قرار دیتا ہے (یعنی اللہ کے قوانین کے ساتھ انسانوں کے خود ساختہ قوانین کو ملا کر معاشرہ مرتب کرنا) تو اس روش کے تباہ کن نتائج سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ (ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء)

اس سارے قصہ میں ہمارے لئے ایک بات باعث اطمینان ضرور ہے۔ یہ شق ہمارے آئین میں آگئی ہے کہ ملک میں کوئی قانون رائج نہیں کیا جائیگا جو قرآن اور سنت کے خلاف ہو۔ قرآن اور سنت کے معنی یہ ہیں کہ اس قانون کو قرآن کے بھی مطابق ہونا چاہئے اور سنت کے مطابق بھی۔ اگر کوئی قانون سنت کے مطابق، لیکن قرآن کے مخالف ہوگا تو وہ قانون نہیں بن سکے گا۔ اس امر کا فیصلہ کہ وہ قانون قرآن کے خلاف ہے یا نہیں سپریم کورٹ کے جج کرینگے جن کے متعلق توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ قانونی شعور رکھتے ہونگے اور اپنے فیصلہ کو دلائل و براہین اور علم و بصیرت پر مبنی رکھیں گے۔ لہذا جب یہ آئین عمل میں آئیگا اور کوئی قانون زیر بحث ہوگا تو طلوع اسلام کیلئے یہ موقعہ ہوگا کہ وہ سپریم کورٹ میں اس سوال کو اٹھائے کہ وہ حکم قرآن کے خلاف ہے۔ وہاں بحث قرآن تک محدود ہوگی اور کسی کا یہ کہنا کہ قرآن کا یہ حکم فلاں حدیث سے منسوخ ہو چکا ہوا ہے یا اس آیت کے معنی وہ ہیں جو فلاں تفسیر میں درج ہیں، قرآن کے خلاف دلیل نہیں قرار پا سکے گا۔ مخالف کو یہ بتانا پڑے گا کہ قرآن کی رو سے اس آیت کا یہ مطلب ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ ہوگا کہ قرآن کے متعلق قرآن سے بحث ہوگی اور وہ بحث نہ تو کسی مامون الرشید کے سامنے ہوگی جس کا ذاتی خیال ہی خدا کا قانون بن جائے اور نہ ہی اس کیلئے کسی مفتی سے فتویٰ لیا جائے گا کہ اس کا یا اس کے ائمہ کا مذہب دین قرار پا جائے۔ لہذا ہمارے آئین کی اس شق سے ہمیں توقع ہے کہ دین کے متعلق اس نہج سے سوچنے کی ایک شکل پیدا ہو جائیگی جو قرآن کا منشا ہے۔ خدا کرے آنے والے حالات ہماری اس حسین آرزو کے مؤید ہوں اور ہمیں یہ توفیق نصیب ہو کہ ہم اس طرح قرآن کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر سکیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن نوعِ انسانی کے لئے جس معاشرہ کو تجویز کرتا ہے اسے آخر الامر قائم ہو کر رہنا ہے۔ کیا عجب کہ اس کی ابتدا اسی سرزمین سے ہو جائے جس میں تیرہ سو سال کے بعد پہلی مرتبہ قرآن کی آواز بلند ہوئی ہے۔

لمعات لکھے جا چکے تھے تو اخبارات میں حکومت پاکستان کے وزیر قانون مسٹر بروہی کا ایک بیان شائع ہوا جس میں انھوں نے پنڈت جواہر لال نہرو کے ان اعتراضات کا جواب دیا ہے جو انھوں نے پچھلے دنوں پاکستان کے زیر تدوین آئین پر کئے گئے تھے۔ اس بیان سے افسوس بھی ہوا اور صدمہ بھی۔ افسوس اسلئے کہ ہم دنیا کیلئے کسقدر اضحوکہ بنتے چلے جا رہے ہیں اور صدمہ اس لئے کہ قوم کے ساتھ قرآن اور سنت، اسلام اور دین کے نام پر کیا مذاق ہو رہا ہے۔ بروہی صاحب نے سب سے پہلے یہ کہا ہے کہ جہانتک پاکستان کے مجوزہ آئین کے اصول و مبانی کا تعلق ہے اس میں تو وہی چیزیں ہیں جو کینیڈا اور بھارت کے آئین میں ہیں یا جو پاکستان کے عبوری آئین (گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء) میں موجود ہیں۔

یہ ہے اس آئین کی بنیادی پوزیشن جس کے متعلق دنیا میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ اس کی تدوین میں دیر اس لئے ہو رہی ہے کہ یہ آئین ایسا ہوگا جس کی مثال دنیا پیش نہیں کر سکے گی، کیونکہ دنیا کے آئین انسانوں کے خود ساختہ ہیں اور ہمارے آئین کی بنیاد، خدا کے غیر متبدل قانون پر ہوگی۔ اس کے بعد انھوں نے فرمایا ہے۔ کہ ہم نے آئین میں بیشک یہ لکھا ہے کہ ملک میں کوئی ایسا قانون نافذ نہیں کیا جائے گا جو قرآن و سنت کے خلاف ہو لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ شرط صرف ان قوانین پر عائد ہوگی جو مستقبل میں بنائے جائیں گے۔

یعنی جو قوانین اس وقت رائج ہیں وہ علی حالہ قائم رہیں گے خواہ وہ قرآن و سنت کے کیسے ہی خلاف کیوں نہ ہوں اور قرآن و سنت کی مطابقت کی شرط صرف ان قوانین پر عائد کی جائے گی جو مستقبل میں مرتب کئے جائیں گے۔ اس کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے کہ

فریبے کہ تو اول خوردہ بودم یاد می آید

اور اس کے بعد بروہی صاحب نے بات بالکل واضح کر دی ہے جب یہ کہا ہے کہ

> مندرجہ بالا تصریح کے بعد اور اس چیز کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ مالیات سے متعلق تمام امور پچیس سال تک کتاب و سنت کے احاطہ سے باہر رہیں گے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ کتاب و سنت کے احاطہ میں یونہی تھوڑی سی چیزیں ہی باقی رہ جاتی ہیں۔ پھر اسے بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر کوئی قانون کسی خاص فرقہ کی تعبیر کے مطابق قرآن کے خلاف ہوگا تو وہ بھی قانون نہیں بن سکے گا۔

یعنی بروہی صاحب نے پنڈت نہرو سے صاف الفاظ میں کہدیا ہے کہ آپ گھبراتے کیوں ہیں۔ ہم نے کتاب و سنت کا نام محض برائے بیت رکھ لیا ہے ورنہ عملاً اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہوگی۔ یعنی بالفاظِ دیگر یہ تو پاکستان کے عوام کو خوش کرنے کے لئے ہے جو آئین میں قرآن اور سنت کے الفاظ رکھدیئے گئے ہیں ورنہ عملی طور پر یہاں نہ قرآن کے مطابق کچھ ہوگا نہ سنت کے۔ لہٰذا غیر مسلموں کو اس سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ قرآن نے ایک جگہ کہا ہے کہ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ جو قرآن کا انکار تو نہیں کرتے لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ قرآن کے قوانین سے وہ عملاً آمنے سامنے ہوں۔ کیونکہ اس سے ان کے

قریبی مفاد پر زد پڑتی ہے۔ اسلئے ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح وہ قرآن کے قانون سے کنی کترا کر نکل جائیں۔ ان کے قلب کی اضطرابی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ چاہتے یہ ہیں کہ اس قرآن کا قانون ان کے سامنے نہ آئے۔ اس کی جگہ کوئی اور قانون لے آیا جائے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کم از کم اس کا مفہوم ہی بدل دیا جائے۔ (واذا تتلی علیھم ایٰتنا بیّنٰت قال الذین لا یرجون لقاءنا ائت بقراٰن غیر ھذا او بدّلہ ۱۰/۱۵) آجکل بعینہٖ یہی حالت ان حضرات کی ہو رہی ہے یہ کسی سہو یا مصلحت کے ماتحت قرآن کا نام لے بیٹھے ہیں۔ اب وہ قرآن سانپ کے منہ میں چھپکلی کے مثل بن گیا ہے کہ نہ نگلے بنے نہ اگلے۔ اُف! اللہ کے عذاب کی بھی کیسی مختلف شکلیں ہیں۔ بروہی صاحب جب وزیر نہیں تھے تو انھوں نے پورے دھڑلے سے کہدیا تھا کہ قرآن سے کوئی آئین بن ہی نہیں سکتا لیکن اب وزیر بننے کے بعد کس مصیبت میں پھنس گئے ہیں کہ دل میں قرآن کے متعلق وہی کچھ ہے، لیکن حکومت کے تقاضے کھل کر اس کا اعلان کرنے نہیں دیتے اسلئے انھیں اس انداز میں گفتگو کرنی پڑ رہی ہے۔

اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ یہ چیز کہ امیر مملکت ہمیشہ مسلمان ہوا کرے گا بھی غیر مسلموں کے لئے قابلِ اعتراض نہیں ہونی چاہئے اس لئے کہ امیر مملکت کے کچھ اختیارات ہی نہیں ہوں گے۔ وہ تو محض ایک علامتی قدر (Symbolic Value) ہو گا۔ اصل اختیارات وزیر اعظم، کابینہ کے وزراء اور صوبوں کے گورنروں اور وزیروں کے ہوں گے۔ اور وہ غیر مسلم بھی ہو سکتے ہیں۔

یہ ہے حکومت پاکستان کے وزیر قانون کی تعبیرات کے مطابق اسلامیہ جمہوریۂ پاکستان کے اس اسلامی آئین کی حیثیت جس کی عمارت اس بنیاد پر اٹھی ہے کہ حقیقی اقتدار اعلیٰ صرف خدا کو حاصل ہے اور اس مملکت کا آئین کتاب اور سنت کے مطابق ہو گا۔ (ملاحظہ ہو قرار داد مقاصد) اس حقیقت حال کے بعد اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے کہ

زنہار ازاں قوم نہ باشی کہ فریبند
حق را بسجودے و نبی را بہ درودے

نوادرات

مجموعۂ مضامین علامہ اسلم جیراجپوری

بڑا سائز | ضخامت ۴۰۰ صفحات | قیمت چار روپے | محصولڈاک نو آنے

ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام۔ کوئی روڈ۔ (صدر) کراچی

طاہرہ کے نام

(پردہ کے متعلق)

پرویز

تم نے ٹھیک کہا طاہرہ! کہ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ (عورتوں کی جتنی ذمہ داریاں ہیں ان کے مقابل میں اتنے ہی ان کے حقوق بھی ہیں - ۲/۲۲۸) کی آیت محض بغرضِ ثواب تلاوت کے لئے رہ گئی ہے، ورنہ عملاً یہی ہو رہا ہے کہ حقوق سب کے سب مردوں کے ہیں اور ذمہ داریاں عورتوں کی۔ حتیٰ کہ عفت کی حفاظت (پاکبازی کی زندگی) کا تقاضا بھی عورت ہی سے کیا جاتا ہے، مرد کو کوئی نہیں پوچھتا۔ اگر کسی کنواری لڑکی کے متعلق (خدانکردہ) کوئی بات یونہی باہر نکل جائے تو وہ ساری عمر کے لئے مردود قرار پا جاتی ہے اور کوئی شریف گھرانا اسے قبولنے کیلئے تیار نہیں ہوتا۔ لیکن انہی شریف گھرانوں میں جب لڑکے کے رشتے کے متعلق سوچا جاتا ہے تو بالعموم آغازِ سخن اس طرح ہوتا ہے کہ لڑکے کی ماں، اس کے باپ سے گلہ کے طور پر کہتی ہے کہ یہ بیٹے کو کب تک اس طرح آوارہ ہونے دو گے۔ میں تمہیں کہتی رہی کہ اس کے کچھ اچھے نظر نہیں آتے۔ وہ آوارہ ہو رہا ہے۔ بری صحبتوں میں بیٹھ رہا ہے لیکن تم نے میری ایک نہ سُنی۔ اب وہ آدھی آدھی رات تک باہر رہنے لگ گیا ہے اور نہ جانے کہاں کہاں جھک مارتا پھرتا ہے۔ اسے کہیں ٹھکانے لگاؤ۔ بالآخر کب تک سوچتے رہو گے؟" یعنی لڑکوں کا کھلے بندوں آوارہ ہو جانا کوئی معیوب بات نہیں۔ لیکن لڑکی بیچاری کے متعلق یونہی غلط بات کا مشہور ہو جانا بھی اسے زندہ درگور کر دینے کیلئے کافی ہے۔ یہ تو رہا بیاہ سے پہلے کا معاملہ۔ اور بیاہ کے بعد؟ اگر بیوی کے متعلق میاں کو اتنا سا بھی معلوم ہو جائے کہ اس نے اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم رکھا تھا (خواہ وہ اپنے میکے ہی گئی ہو) تو یہی جرم اس کی طلاق کے لئے "معقول وجہ" اور اس کی بدنامی کا "بین ثبوت" بن جانے کے لئے کافی ہے۔ لیکن اگر مرد نے کھلے بندوں کسی رنڈی کو بطور داشتہ رکھ چھوڑا ہو، تو بھی اسکی شرافت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ بلکہ (یہاں کا تو مجھے علم نہیں۔ ولایت میں) بڑے بڑے شریف اور معزز گھرانوں میں اس بات کو بڑے فخر سے بیان کیا جاتا تھا کہ ان کی فلاں داشتہ ہے اور ان کی فلاں طوائف ملازم ہے۔ لہٰذا جس معاشرہ میں (اور تو اور) عفت و عصمت کا تقاضا بھی عورت ہی سے کیا جائے اور مرد اس سے بھی مستثنیٰ ہو، اس معاشرہ میں "ولهن مثل الذی علیهن" کی قرآنی میزان مساوات کا ذکر ہی بے معنی ہے۔ لیکن قرآن کی رو سے شرفِ انسانیت کی اس بنیادی شق (پاکدامنی) کا تقاضا جیسا عورت سے ہے ویسا ہی مرد سے بھی ہے۔ اگر حفاظتِ عصمت عورت کی ذمہ داری ہے تو وہ بطور اپنے "حق" کے مرد سے اس کا تقاضا بھی کر سکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس نے جس طرح عورتوں کو تاکید کی ہے کہ وہ اپنی عفت کی حفاظت کریں (ویحفظن فروجھن ۲۴/۳۱) بعینہٖ اسی طرح اور انہی الفاظ میں مردوں سے بھی کہا ہے کہ وہ اپنی عفت کی حفاظت کریں (یحفظوا فروجھم ۲۴/۳۰)۔ بلکہ پہلے مردوں سے کہا ہے اور بعد میں عورتوں سے۔ اس نے جہاں مسلمان عورت کی یہ خصوصیت بتائی ہے کہ وہ اپنی عفت کی حفاظت کرتی ہے وہیں مسلمان مرد کی بھی یہ خصوصیت بتائی ہے (والحٰفظین فروجھم والحٰفظٰت ۳۳/۳۵) اور جس طرح اس حفاظت کی کوتاہی کی عورت مجرم قرار پاتی ہے اسی طرح مرد بھی مجرم قرار پاتا ہے حتیٰ کہ دونوں کی سزا بھی یکساں ہے (اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ۔ ۲۴/۲) امید ہے کہ اب تم نے سمجھ لیا ہوگا کہ قرآنی معاشرہ میں، عورت کی پاکبازی کے ساتھ ساتھ مرد سے اس کی پاکبازی کا تقاضا بھی کس طرح کیا جائے گا اور اس طرح ولھن مثل الذی علیھن کا جیتا جاگتا منظر کس طرح سامنے آجائے گا۔

اب رہا تمہارا بنیادی سوال، سو مجھے اس سوال سے اتنی حیرت نہیں ہوئی جتنی حیرت اس سے ہوئی کہ تم نے اس استفسار میں اتنی دیر کس طرح سے کردی اور پہلے ہی خط میں اس کے متعلق کیوں نہیں پوچھا؟ اس لئے کہ آجکل عورتوں کے نزدیک پردے سے زیادہ اہم سوال کوئی اور ہے ہی نہیں۔ مجھے جسقدر استفسارات عورتوں کی طرف سے موصول ہوتے ہیں ان میں کم وبیش نوے فی صدی پردے کے متعلق ہوتے ہیں۔ اور (مستثنیات کو چھوڑ کر) وہ بھی یہ پوچھنے کے لئے نہیں کہ اس کے متعلق قرآن کا مسلک کیا ہے۔ بلکہ اس کا اطمینان کرنے کے لئے کہ وہ جس انداز کو اختیار کئے ہوئے ہیں وہ کسی طرح عین مطابق اسلام ثابت ہوجائے! لیکن مجھے معلوم ہے کہ تمہارے استفسار کا محرک جذبہ یہ نہیں۔ معلوم نہیں مرحوم بھائی نے کس ساعتِ سعید میں تمہارا نام طاہرہ تجویز کیا تھا کہ تمہیں عفتِ قلب ونگاہ کے ساتھ ساتھ تطہیرِ فکر ونظر کا بھی اس قدر وافر حصہ ملا ہے۔ ملت کو تمہارے جیسی بیٹیوں پر جسقدر بھی ناز ہو کم ہے۔ فی الحقیقت رشکِ صد طور ہیں وہ گھرانے جن میں اس قسم کے درخشندہ وتابناک چراغ روشن ہوں۔ (بلا تمثیل) کمشکوٰۃ فیھا مصباح۔ ایک ایسے طاق کی مثل جس میں دیا نہیں بلکہ سپیدۂ سحر اپنی پوری نورانیت اور ٹھنڈک کو لئے جگمگ جگمگ کر رہا ہو۔ المصباح فی زجاجۃ۔ وہ دیا ایک صاف اور شفاف بلوریں فانوس میں محفوظ رکھا ہو تاکہ وہ تمام خارجی اثرات سے محفوظ رہے۔ الزجاجۃ کانھا کوکب دری۔ وہ فانوس یوں دکھائی دے گویا ایک چمکتا ستارہ ہے جس سے نور کی ندیاں رواں ہیں۔ اور اس سے سارا گھر نورٌ علیٰ نور ہو رہا ہو۔

پردے کے متعلق سب سے پہلے یہ سمجھ لو طاہرہ! کہ عورتوں کو گھر کی چار دیواری میں بند کردینا ایک سزا ہے جسے قرآن ان عورتوں کے لئے تجویز کرتا ہے جن سے کچھ بے حیائی کی بدعنوانیاں مترشح ہو رہی ہوں۔ یعنی وہ زنا کی مرتکب تو نہ ہوئی ہوں البتہ ان سے ایسی حرکات ظاہر ہوں جو انھیں ناجائز جنسی تعلق کی طرف لے جانے والی ہوں۔ چنانچہ سورۂ نساء میں ہے۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْھِدُوْا عَلَیْھِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ فَاِنْ شَھِدُوْا فَاَمْسِکُوْھُنَّ

فِي الْبُيُوتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۔ (۴/۱۵)

تمہاری عورتوں میں سے جو ایسی حرکات کی مرتکب ہوں جو زنا کی طرف لے جانے والی ہوں تو اس پر چار آدمیوں کی گواہی طلب کرو اور اگر وہ گواہی دیدیں تو انھیں گھر سے باہر آنے جانے سے روک دو۔ تاآنکہ انھیں موت آجائے یا قانونِ خداوندی ان کیلئے کوئی اور راہ پیدا کردے (ان کا نکاح ہوجائے)۔

اس سے یہ حقیقت تمہارے سامنے آگئی کہ عورتوں کو گھر کی چار دیواری میں محبوس کردینا، جرمِ فحش کی سزا ہے۔ لہٰذا ہمارا مروجہ پردہ جس میں عورتوں کو گھروں کے اندر قید رکھا جاتا ہے، نہ صرف منشائے قرآنی کے خلاف ہے، بلکہ جرم ہے۔ کیونکہ کسی بے گناہ کا حبسِ بے جا (ILLEGAL DETENTION) عرفاً اور شرعاً جرم ہے۔

کہا یہ جاتا ہے کہ ہم عورتوں کو مجبوراً گھر کے اندر بند نہیں رکھتے۔ وہ اپنی افتادِ طبیعت اور جذبۂ حیاداری کے ماتحت ازخود گھروں کے اندر محبوس رہنا چاہتی ہیں۔ غور کرو کہ یہ دلیل کسقدر خود فریبی پر مبنی ہے۔ ہم شروع سے اپنی بچیوں کی پرورش و تربیت اس انداز سے کرتے ہیں کہ وہ قفس کے پرندے کی طرح، اس قید و بند کی زندگی کی خوگر ہو کر بڑی ہوتی ہیں۔ اور اس کے بعد ہم اس اندازِ زندگی کو ان کی افتادِ طبیعت کا تقاضا کہکر، اس حبسِ دوام کے جواز میں بطور دلیل پیش کردیتے ہیں۔

ایک ضمنی بات سورۂ نساء کی جو آیت اوپر درج کی گئی ہے اس کے متعلق ایک بات ضمناً سامنے آگئی جس کا تذکرہ فائدے سے خالی نہیں ہوگا۔ اگلے دنوں، ہماری مجلس آئین ساز میں ایک غیر مسلم ممبر نے اعتراض کیا کہ تم وہ قرآنی نظام رائج کرنا چاہتے ہو جس میں زنا کی سزا سو دُرّے ہیں۔ اس پر ہمارے مسلمان ممبر اس قدر جھینپے اور شرمائے کہ ان کے بس میں ہوتا تو وہ قرآن سے اس قسم کی (معاذ اللہ) "وحشیانہ" سزا کی آیت نکال دیتے اور پھر معترض سے نہایت فخر اور سرفرازی سے کہتے کہ وہ پرانے زمانے کی باتیں ہیں۔ ہم نے قرآن کا جو نیا ایڈیشن چھپوایا ہے اس میں اس قسم کی ازمنۂ مظلمہ (DARK AGES) کی کوئی وحشیانہ بات نہیں رکھی۔ لیکن یہ تو ان بچاروں کے بس میں نہیں تھا اس لئے اس کے جواب میں یہ کہا کہ قرآن نے یہ شرط عائد کردی ہے کہ زنا کا جرم ثابت کرنے کیلئے چار عینی شاہد ضروری ہیں (یعنی ایسے گواہ جو یہ کہیں کہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے اس فعل کو مرتکب ہوتے دیکھا ہے) اور چونکہ یہ ناممکن ہے کہ اس فعل کے چار عینی شاہد مل سکیں (کیونکہ ناجائز طور پر تو ایک طرف، کوئی شخص جائز جنسی عمل بھی کسی کی موجودگی میں نہیں کرتا) اسلئے قرآنی ضابطۂ تعزیرات کے مطابق نہ زنا کا جرم ثابت ہوسکے گا اور نہ زانی اور زانیہ کے لئے اس قسم کے وحشیانہ سزا کی نوبت آئے گی۔ یہ کہکر، ہمارے یہ مسلمان ممبر بہت خوش ہوئے ہوں گے کہ ہم نے قرآن کو ایک اتنے بڑے اعتراض سے بچا لیا۔ اب ان علم و بصیرت کے دشمنوں سے کون کہے کہ آپ نے قرآن کو اس اعتراض سے بچاتے بچاتے، قرآن نازل کرنے والے خدا کو اس قسم کا قانون ساز بنا کر پیش کردیا جس پر ساری دنیا ہنسے گی۔ لیکن اس میں ان کا بھی کوئی قصور نہیں۔ ہمارے ہاں اس آیت کا ترجمہ ہی یہ کیا جاتا ہے کہ جو عورتیں جرم زنا کی مرتکب ہوں ان کے مقدمے میں چار گواہ پیش کرو۔ اور پھر یہ سزا دو۔ بہرحال یہ تو ضمنی بات تھی۔

اب تم پھر اصل موضوع کی طرف آؤ۔

ہم نے دیکھ لیا ہے کہ قرآن کی رو سے، عورتوں کو گھروں کے اندر بند رکھنا بہت بڑا جرم ہے، لہٰذا اس قسم کا پردہ قرآنی پردہ نہیں ہے۔

میں نے تمہیں پہلے خط میں بتایا تھا کہ قرآن کی رو سے مرد اور عورت کے فرائض زندگی میں تقسیم عمل کا اصول کارفرما ہے، مرد کے ذمہ اکتساب رزق (حصول معاش) کا فریضہ عائد کیا گیا ہے اور عورت کے ذمے اولاد کی پرورش اور تربیت کا اہم فریضہ۔ اب ظاہر ہے کہ ان فرائض کی ادائیگی کے لئے مرد کا میدانِ عمل معمولاً گھر سے باہر ہے اور عورت کا دائرۂ عمل معمولاً گھر کے اندر۔ اس کے خلاف جانے سے مرد اور عورت کے فرائضِ حیات کی کما حقہ ادائیگی پر اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ نکمے اور نکھٹو مرد کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ تو عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھا رہتا ہے۔ اس اصول سے یہ حقیقت ہمارے سامنے آگئی کہ عام طور پر عورت کا مستقر گھر ہے اور اسے باہر ضرورۃً ہی جانا چاہیئے جس طرح عام طور پر مرد کا دائرۂ عمل گھر سے باہر ہے اور وہ گھر پر ضرورۃً ہی آتا ہے۔ اسی بنا پر ارشاد ہوا کہ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ (۳۳/۳۳) ان سے کہدو کہ ان کا مستقر ان کا گھر ہے اس لئے وہ معمولاً گھروں میں رہا کریں۔

تصریحاتِ بالا سے دو باتیں ہمارے سامنے آگئیں۔

(۱) عورتوں کو گھر کے اندر بند رکھنا اور انہیں باہر نکلنے نہ دینا، قرآن کی رو سے سزا ہے۔ لہٰذا یہ قرآنی پردہ نہیں اور

(۲) عورتوں کا بلا ضرورت معمولاً باہر پھرتے رہنا منشائے قرآنی کے خلاف ہے۔ معمولاً ان کا مستقر گھر ہے اور انہیں باہر ضرورۃً جانا چاہیئے۔

اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ عورت، گھر کے اندر کس طرح رہے اور گھر کے باہر کس طرح چلے پھرے۔ قرآن میں دونوں دوائر کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں۔ لیکن قبل اس کے کہ میں ان قرآنی ہدایات کو بیان کروں، اس حقیقتِ کبریٰ کو پھر سامنے لے آؤ کہ قرآن کی رو سے عصمت کی حفاظت مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے پاکیزگیٔ سیرت کی بنیادی شرط ہے اور مومن بننے کا اہم تقاضا۔ اس کے نزدیک، اس گوہرِ بے بہا کے تحفظ سے بے احتیاطی نہ صرف انفرادی سیرت ہی کو داغدار بنا دیتی ہے بلکہ (جیسا کہ میں سلیم کے خط میں بصراحت لکھ چکا ہوں) قومی تمدن و تہذیب کو بھی تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔ قرآن کا اندازِ تعلیم و تربیت یہ ہے کہ وہ اس قسم کے جرائم کی سزا مقرر کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ ان مواقع و اسباب کا سدباب کرتا ہے جو ان جرائم کے ارتکاب کا موجب بنتے ہیں۔ وہ یہ نہیں دیکھتا رہتا کہ چور چوری کرلے تو پھر اسے جا کر پکڑوں۔ وہ ان راستوں پر پہرے بٹھا دیتا ہے جہاں سے چوروں کے آنے کا امکان ہو۔ یا یوں سمجھو کہ وہ چور کو نہیں مارتا بلکہ چور کی ماں کو مار دیتا ہے تاکہ چور پیدا ہی نہ ہونے پائے۔ حفاظتِ عصمت کے باب میں بھی اس نے یہی انداز اختیار کیا ہے۔ اس نے زنا کی سزا مقرر کی ہے حتیٰ کہ باعصمت شریف زادیوں کے خلاف تہمت تراشی کی بھی سزا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے ایسی تدابیر بھی بتائی ہیں جن سے اس جرم کے ارتکاب

امکانات و مواقع نہ پیدا ہونے پائیں۔ چونکہ بات سامنے آگئی ہے اس لئے مجھے ذرا زیادہ وضاحت سے سمجھا دینا چاہئے (اور اس میں رسمی حجاب اور تکلف کو مانع نہیں ہونے دینا چاہئے کیونکہ تکلفات کے ان مصنوعی پردوں کی وجہ سے حقیقت نکھر کر سامنے نہیں آتی) بات یہ ہے کہ انسان کے طبعی تقاضوں کے کئی انداز ہیں۔ ایک تقاضا ہے سانس لینے کا جس پر زندگی کا دارومدار ہے۔ اس تقاضے کی کیفیت یہ ہے کہ یہ نہ تو اپنے پیدا ہونے کے لئے تمہاری نیت یا ارادے کا محتاج ہوتا ہے اور نہ ہی اس تقاضے کی تسکین کے لئے تمہیں عمداً کچھ کرنا پڑتا ہے ..... تم سوتے ہو یا جاگتے۔ بیٹھے ہو یا چلے جا رہے ہو۔ تم کچھ کہہ رہے ہو۔ تمہارا خیال کہیں ہو۔ سانس کی آمد و رفت کا سلسلہ از خود جاری رہتا ہے۔ تمہیں سانس لینے کے لئے نہ ارادہ کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی عمل کی۔ البتہ سانس روکنے کیلئے کوشش (EFFORT) کی ضرورت پڑتی ہے۔

دوسری قسم کا تقاضا ہے کھانے پینے کا۔ یہ بھی تمہارے خیال اور ارادے کا محتاج نہیں۔ جب معدے میں کچھ نہ ہو تو خود بھوک لگ جاتی ہے اور وہ بڑھتی چلی جاتی ہے اور تمہاری توجہات کو اپنی طرف مرکوز کر لیتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر تم کسی گہرے خیال میں مستغرق ہو تو ابتداءً بھوک کا احساس نہیں ہوتا لیکن جب اس کی شدت بڑھتی ہے تو تمہارے جذب و انہماک کے باوجود یہ تمہاری توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اس کے بعد اس تقاضے کی تسکین کا سوال سامنے آتا ہے۔ اس کے لئے تمہیں کچھ کوشش کرنی پڑتی ہے یعنی نوالے کا منہ میں ڈالنا اور اسے چبا کر حلق کے نیچے اتارنا۔

تیسری قسم کا تقاضا ہے جنسی تقاضا (SEXUAL URGE)۔ یہ تقاضا سانس لینے اور کھانے پینے کے تقاضے کی طرح از خود پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے ہیجان کے لئے خیال اور ارادے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے کام میں اس طرح منہمک ہے کہ اسے دنیا جہان کی کچھ خبر نہیں، تو اس حالت میں سانس کا عمل از خود جاری رہے گا اور بھوک بھی از خود لگے گی (اور اگر وہ شروع میں اس کی طرف توجہ نہیں دیگا تو کچھ وقت کے بعد وہ اس کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرا کر چین لیگی)۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوگا کہ اس جذب و انہماک میں جنسی تقاضا بھی از خود ابھر آئے اور اس کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لے۔ اس تقاضا کے ابھرنے کا مدار خیال و ارادے پر ہے۔ لہٰذا تحفظِ عصمت کے لئے قرآن کرتا ہے کہ وہ ایسے مواقع پیدا نہیں ہونے دیتا جو انسانی خیال اور توجہ کو جنسی ہیجان کی طرف پھیر دیں۔ یہ ہے وہ نقطۂ ماسکہ جس کے گرد پردے کا سارا سوال گردش کرتا ہے۔ اگر غیر مرد یا عورت کی طرف سے کوئی حرکت ایسی سرزد ہو جو فریقِ مقابل کی توجہ کو جنسی میلان کی طرف پھیر دے، تو وہ حرکت روک دینے کے قابل ہے۔ اور اگر ایسا انتظام ہو کہ اس قسم کی صورت پیدا نہ ہونے پائے تو معاشرہ کا یہ انداز قرآنی منشا کے مطابق ہے۔ اس اصولی بحث کے بعد اب یہ دیکھو کہ قرآن اس باب میں کیا التزام کرتا ہے۔ پہلے گھر کے اندر کی زندگی کو لو۔ قرآن گھر کی خلوت (PRIVACY) کے قائم رکھنے کی تاکید کرتا ہے اسی لئے وہ حکم دیتا ہے کہ

> جب تم اپنے گھروں کے علاوہ کسی اور کے گھر جاؤ تو پہلے اندر جانے کی اجازت طلب کرو۔ اجازت مل جائے تو اہلِ خانہ کو سلامتی کی دعائیں دو۔ اگر اندر سے آواز نہ آئے تو کبھی اندر قدم نہ رکھو۔ اور اگر وہ کہیں کہ اس وقت معاف رکھئے تو

فوراً واپس آجاؤ۔ (۲۴/۲۸)

اس کے بعد فرمایا کہ ھوازکیٰ لکم۔ یعنی یہ آداب معاشرت اس لئے سکھائے جاتے ہیں کہ ان کی پابندی سے تمہاری شرفِ انسانیت کی برومندی ہوگی۔ اسی ضمن میں یہ بھی کہدیا کہ

اگر تمہیں کسی کے ہاں سے (بلکہ خود رسول اللہؐ کے ہاں سے بھی) کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے سے آواز دیکر مانگو (۳۳/۵۳)

اور اس کے بعد فرمایا کہ ذالکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن۔ اس سے تمہارے اور گھر کے اندر کی مستورات کے دلوں میں پاکیزگی کے جذبات پیدا ہوں گے۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ اگر کوئی غیر مرد باہر سے آواز دے تو عورتوں کو یہ نہیں چاہئے کہ گونگی بن کر بیٹھی رہیں۔ اس آواز کا جواب دیں۔ اس سے مناسب بات چیت کریں۔ لیکن

یہ باتیں ایسی نرم اور لوچدار آواز میں نہ کرو کہ اگر مخالف کے دل میں جنسی میلان کا مرض ہے تو تمہاری آواز اس کے لئے جاذبیت کا موجب بن جائے۔ نہ ہی کوئی بات بے سلیقہ اور راستے سے ہٹی ہوئی کرو۔ ضروری اور مناسب بات، ایسی آواز سے کرو کہ بات چیت کی ضرورت پوری ہو جائے، لیکن انداز گفتار کشش و جاذبیت کا موجب نہ بن جائے۔ (۳۳/۳۲)

نہ صرف گفتار میں ہی یہ انداز اختیار کریں بلکہ رفتار میں بھی۔ اس لئے کہ

نہ تنہا عشق از گفتار خیزد با ایں آتش از رفتار خیزد

لہٰذا

ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن۔ (۲۴/۳۱)

چلتے وقت اپنے پاؤں کو زمین پر اس انداز سے نہ ماریں کہ زیورات کی آواز فریق مخالف کے خیال کو تمہاری طرف کھینچ لینے کا موجب بن جائے۔

دیکھا تم نے طاہرہ! کہ قرآن کس طرح ایسے انداز اختیار کرتا ہے جن سے انسان کا خیال اور ارادہ جنسی میلان کی طرف آنے ہی نہ پائے۔ یہ تو رہا معاملہ ان کے ساتھ جو گھر سے باہر ہوں۔ اب گھر کے اندر آؤ۔ اس ضمن میں اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن زیب و زینت کی پوری پوری اجازت دیتا ہے۔ اس کے نزدیک آرائش و زیبائش، انسانی زندگی میں اضافۂ حسن کا موجب ہیں اس لئے کسی کو حق حاصل نہیں کہ انھیں حرام قرار دے۔ لیکن وہ عورت کی زیب و زینت اور آرائش و زیبائش کو اس کے خاوند کے سامنے نمایاں ہونے کی اجازت دیتا ہے یا ان کے سامنے جن کے دل میں، اس سے جنسی میلان پیدا نہ ہو۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ اپنی عورتوں سے کہدو کہ وہ

اپنی زینت کو نمایاں نہ ہونے دیا کریں بجز اپنے خاوندوں کے۔ یا اپنے باپ کے۔ یا اپنے خسر کے۔ یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے خاوند کے بیٹوں کے۔ یا اپنے بھائیوں کے یا بھتیجوں کے۔ یا بھانجوں کے۔ یا اپنی عورتوں کے۔ یا اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے (جو اس زمانے میں ہنوز گھروں کے اندر کام کاج کیلئے موجود ہوتے تھے) یا مردوں میں سے ایسے ملازموں کے جو اس قدر

بوڑھے ہو چکے ہوں کہ نکاح کی حاجت نہ رکھیں۔ یا ایسے بچوں کے جو ابھی عورتوں کی پردے کی باتوں سے واقف نہ ہوں۔ (۲۴/۳۱)
یہ اس لئے لعلکم تفلحون کہ تم کامیابی و کامرانی کی زندگی بسر کرو۔ اور تمہارے معاشرہ کی صلاحیت بخش کوششیں ثمر بار و برومند ہوں۔ حتیٰ کہ بچوں اور غلاموں (ملازموں) کے متعلق بھی کہدیا کہ وہ صبح تمہارے اٹھنے سے پہلے، اور دوپہر کے وقت جب تم آرام کر رہے ہو اور رات کے وقت، اگر تمہارے کمرے میں آنا چاہیں تو اجازت لیکر آیا کریں۔ (۲۴/۵۸)۔ ضمناً اس بات کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ (آیت ۲۴/۳۱ میں) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اپنی زیب و زیبائش کو ان عورتوں کے سامنے بھی نمایاں نہ کریں جن کے متعلق پورا پورا علم نہ ہو کہ وہ کیسی ہیں۔ اسلئے کہ بہت سی خرابیاں غیر عورتوں کے ذریعہ ہی پھیلتی ہیں۔

یہ تو رہا گھر کے اندر کا معاملہ۔ اب گھر سے باہر آیئے۔ یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ عورتوں کو گھر کی چار دیواری میں محبوس و محصور رکھنا سزا ہے، نہ کہ پردہ۔ اس لئے عند الضرورۃ عورتوں کے لئے گھر سے باہر نکلنے میں کوئی حرج نہیں۔ جب عورتیں باہر آئیں گی تو لا محالہ وہاں مرد بھی ہوں گے۔ لہٰذا عورتوں سے کچھ کہنے سے پہلے قرآن، مردوں کو مخاطب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ دیکھو۔ یہاں عورتیں بھی پھر رہی ہیں اس لئے انھیں گھورتے نہ پھرو۔ اپنی نگاہیں نیچی کر کے چلو۔ سورۂ نور میں ہے قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم۔ مومن مردوں سے کہدو کہ وہ معمولاً اپنی آنکھیں نیچی رکھکر چلا کریں اور انھیں صرف عند الضرورت اوپر اٹھایا کریں۔ (من ابصارھم میں من کے یہی معنی ہیں) یہ عفت کی حفاظت کے لئے ضروری ہے اور جیسا کہ تم جانتی ہو، عفت کی حفاظت مومن کی بنیادی خصوصیت ہے۔ ویحفظوا فروجھم۔ آنکھیں، جہاں دل کے پیغامات باہر پہنچاتی ہیں وہاں باہر کے پیغامات کے دل تک پہنچنے کا سب سے بڑا راستہ بھی یہی ہیں۔ اس لئے اس راستے کے پھاٹک بلا ضرورت کھلے نہ رکھو۔ ذٰلک ازکیٰ لھم۔ اس سے ان کے شرفِ انسانیت کی نشوونما لیدگی ہوگی۔ لیکن انھیں سمجھا دو کہ اس حکم پر محض میکانکی طریق پر (MECHANICALLY) عمل نہ کریں بلکہ نظر ہمیشہ اس بلند مقصد پر رکھیں جس کی خاطر نگاہوں کی پاسبانی ضروری قرار دی گئی ہے۔ یاد رکھو۔ خدا اس سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے کہ تم محض میکانکی طور پر کیا کرتے ہو۔ ان اللہ خبیر بما یصنعون (۲۴/۳۰) ان راستوں پر اس طرح پہرے بٹھا کر پھر عورتوں سے کہا کہ اب تم باہر آسکتی ہو لیکن کس انداز سے؟ وقل للمؤمنٰت یغضضن من ابصارھن۔ مومن عورتوں سے کہدو کہ وہ بھی معمولاً اپنی آنکھیں نیچی رکھکر چلیں اور صرف عند الضرورت انھیں اوپر اٹھایا کریں (من ابصارھن)۔ اور اس طرح معاشرہ میں تحفظ عفت کا التزام رکھا کریں۔ (ویحفظن فروجھن) یہانتک تو مردوں اور عورتوں کے لئے یکساں حکم ہوا۔ لیکن عورتوں کے لئے اس سے آگے کچھ اور بھی ضرورت تھی۔ اس کے لئے کہا کہ ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا۔ وہ اپنی زینت و آرائش کی نمائش نہ کریں، بجز ان مقاماتِ زینت کے جن کا ظاہر ہونا ناگزیر ہو۔ اس مقصد کے لئے انھیں چاہئے کہ ولیضربن بخمرھن علیٰ جیوبھن (۲۴/۳۱) اپنی سر کی چادر کو سینوں پر ڈال لیا کریں۔ دوسری جگہ ہے کہ یدنین علیھن من جلابیبھن (۳۳/۵۹) وہ اپنی "جلباب" کو سمٹا کر

قریب کرلیا کریں۔ "جلب" کے معنی ہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے۔ اور جلباب ایسا کپڑا ہے جسے دوسری جگہ جاتے وقت اوپر سے پہن لیا جائے۔ اب ظاہر ہے کہ خواہ سر کی چادر سینہ پر ڈال لی جائے اور خواہ اوپر سے جلباب پہن لی جائے، اس میں منہ چھپانے کا کوئی قرینہ نہیں۔ ویسے بھی اگر منہ چھپانا ضروری ہوتا تو پھر (کم از کم) مردوں کو "غضِ بصر" (نگاہیں نیچی رکھنے) کا حکم کیوں دیا جاتا۔ کہدیا جائے گا کہ جب زینت کے چھپانے کا حکم ہے تو چہرہ سب سے نمایاں مقامِ زینت ہے، اس لئے اس کا چھپانا سب سے مقدم ہے۔ لیکن جب قرآن نے خود ہی کہدیا کہ مقاماتِ زینت کو چھپاؤ الا ما ظھر منھا۔ بجز ان مقامات کے جن کا ظاہر ہو جانا ناگزیر ہو۔ اور اس کے بعد مقاماتِ زینت کے چھپانے کا جو طریقہ بتایا وہ ایسا ہے جس میں چہرہ کھلا رہتا ہے، تو پھر چہرے کا چھپانا منشائے قرآنی نہیں ہو سکتا۔

واضح رہے کہ قرآن نے خمار اور جلباب کا اس لئے ذکر کیا ہے کہ اس زمانے میں عرب میں ان کا رواج تھا۔ ہمارے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم ٹھیک اس زمانے کے جلباب اور خمار کے مطابق ہی چادریں اور اوڑھنیاں استعمال کریں۔ قرآن کا مقصد یہ ہے کہ باہر نکلتے وقت زینت و آرائش کو مستور رکھا جائے۔ اس مقصد کے لئے جس قسم کا کپڑا بھی ہم مناسب سمجھیں اختیار کر سکتے ہیں۔ لباس کی وضع قطع اور تراش خراش کا تعلق اندازِ معاشرت سے ہے جو زمانے کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ مطلب قرآنی مقصد کے حصول سے ہے۔ یعنی زینت کے چھپانے سے۔

یہ تو رہا اس سوال کا جواب کہ عورت باہر کس انداز سے نکلے۔ لیکن قرآن نے خود ہی یہ بھی بتا دیا کہ اس انداز و طریق رفتار و گفتار کی غایت کیا ہے؟ وہ غایت یہ ہے کہ ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ (۳۳/۳۳)۔ ان سے کہدو کہ اپنے حسن و زینت کو نمایاں نہ کرتی پھریں جس طرح (اسلام سے پہلے) عہدِ جاہلیت میں ہوتا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ تبرج، جاہلیت کا شعار تھا اور قرآن نے اس سے روکا ہے۔ تبرج، برج سے ہے اور برج کے معنی واضح ہیں۔ یعنی کسی چیز کو ابھارنا، بلند کرنا۔ اس کی نمود کرنا۔ اس کے برعکس، حیا[1] ہے جس کے معنی سکڑنے اور سمٹنے کے ہیں (TO SHRINK)۔ چنانچہ تبرج میں نمود اور ابھار ہے اور حیا میں سکڑنا اور سمٹنا۔ سورۂ قصص میں ہے کہ جب اُس مردِ صالح کی جوان بیٹی (جنھیں عام طور پر حضرت شعیبؑ سمجھا جاتا ہے اور جن کے ہاں بعد میں حضرت موسیٰؑ کی شادی ہوئی تھی) حضرت موسیٰؑ کو بلانے کیلئے آئی تو اس کا انداز یہ تھا کہ وہ تمشی علی استحیاء (۲۵/۲۸) وہ سمٹی سمٹائی حیا سے چلتی ہوئی آئی۔ مختصراً یہ کہ قرآن نے تبرج (نمود) سے منع کیا ہے اور حیا (سمٹنے) کی تلقین کی ہے۔ لہٰذا کوئی ایسا انداز جس سے نمودِ حسن اور نمائشِ زینت مقصود ہو یا وہ اس کا موجب بن جائے، قرآنی منشا کے خلاف ہے۔

---

[1] حَیَّۃٌ سانپ کو کہتے ہیں بوجہ اس کے سکڑنے اور سمٹنے کے۔ اور حیا اور حیات (زندگی) ایک ہی ہے۔ زندہ چیز کی نشانی یہ ہے کہ جب اسے خطرے کا احساس ہو تو وہ تحفظِ ذات کے لئے سمٹتی اور سکڑتی ہے۔ آپ کسی کیڑے کو تنکے سے چھیڑیئے۔ دیکھئے وہ کس طرح سمٹتا ہے اسی سے عربوں نے حیات کا لفظ اختیار کیا۔

پھر اسے بھی یاد رکھو کہ جو نقشہ گھر سے باہر کا ہے، وہی نقشہ گھر کے اندر غیر مردوں کی موجودگی میں بھی ہوگا اس لئے کہ ان عزیزوں کے سوا (جن کا ذکر ۲۴/۳۱ میں اوپر گذر چکا ہے) دوسروں سے زینت کا چھپانا ہر مقام پر ضروری ہے۔ لہٰذا گھر کے اندر بھی عورتوں کو غیر مردوں کی موجودگی میں بیٹھنا منع نہیں۔ لیکن انھیں شرائط کے ساتھ جو ان کے لئے باہر جانے کی صورت میں ضروری ہیں۔

اب رہا یہ کہ وہ کون کون سی ضروریات ہیں جن کے لئے مردوں کا عورتوں کو اور عورتوں کا مردوں کو نگاہ اٹھا کر دیکھ لینا معیوب نہیں۔ تو قرآن (اپنے عام اصلِ تعلیم کے مطابق) ان امور کی جزئیات خود ہی متعین نہیں کرتا۔ ان تفاصیل کو وہ انسانی علم و بصیرت اور حالات کے اقتضاء پر چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن اتنا تو قرآن سے واضح ہے کہ بیوی کے انتخاب کے لئے اس کی اجازت ہے اس لئے کہ نکاح کے سلسلہ میں قرآن نے ما طاب لکم من النساء (۴/۳) کہہ کر خود ہی اس کی صراحت کر دی ہے یعنی عورتوں میں سے جو تمہیں پسند آئیں ان سے شادی کرو۔ اور خود نبی اکرمؐ کے متعلق ارشاد ہے کہ تو اپنی موجودہ بیویوں کے بعد کسی اور عورت سے شادی نہیں کر سکتا نہ ہی ان کی جگہ کوئی دوسری بیوی کر سکتا ہے۔ ولو اعجبك حسنهن (۳۳/۵۲) خواہ ان کا حسن تمہیں کتنا ہی اچھا کیوں نہ لگے۔ لیکن مقصد شادی کے لئے انتخاب ہو یا کوئی اور ضرورت۔ مرد اور عورت دونوں کے سامنے ہر وقت یہ خیال رہنا چاہئے کہ ان سے کوئی حرکت ایسی سرزد نہ ہونے پائے جو فریقِ مخاطب کے دل میں غلط آرزو کی خفیف سی بیداری کا موجب بھی بن سکے۔ اس لئے کہ خدا کا قانون یعلم خائنة الاعین وما تخفی الصدور (۴۰/۱۹) تمہاری نگاہوں کی خیانت اور دل کی چوری تک سے بھی واقف ہے۔

یاد رکھو۔ فحش کاری صرف جنسی اختلاط ہی کا نام نہیں۔ اس کا خیال و ارادہ بھی فحش کاری ہے اس لئے کہ اس کا بنیادی اثر انسان کی سیرت پر پڑتا ہے اور تعمیرِ سیرت ہی تمام قیود و ضوابط کا مقصود ہے۔

اب رہا تمہارا یہ سوال کہ بحالاتِ موجودہ اس باب میں کیا کیا جائے؟ سو پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر تم سمجھ گئی ہو کہ اس باب میں قرآن کا منشا کیا ہے تو اس سوال کے جواب کے لئے کہ بحالاتِ موجودہ "تمہیں" کیا کرنا چاہئے، میں وہی کہوں گا جو علامہ اقبالؒ نے مسلمان سے کہا تھا کہ

اے مسلماں! پوچھ اپنے دل سے، مُلّا سے نہ پوچھ

اور اگر تمہارا سوال یہ ہے کہ موجودہ معاشرہ میں ہمیں کیا کرنا چاہئے جس سے قرآن کا منشا پورا ہو جائے۔ تو یہ وہ سوال ہے کہ جس کا جواب میرے لئے بڑی مشکل کا موجب بن جایا کرتا ہے۔ یعنی سوال یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ سمجھ چکے ہوں کہ فلاں باب میں قرآن کا منشا یا حکم کیا ہے تو وہ، موجودہ غیر قرآنی معاشرہ میں، اس حکم یا منشائے قرآن پر عمل کس طرح کریں؟ اس سوال کا جواب اس لئے مشکل ہوتا ہے کہ قرآنی معاشرے میں قرآنی احکام یا منشاء پر از خود عمل ہوتا چلا جاتا ہے کیونکہ وہ معاشرہ (بجز استثنائے چند) مشتمل ہی ان افراد پر ہوتا ہے جو اپنی زندگی کو قرآنی قالب میں ڈھالنے کے لئے مضطرب و بیقرار ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایسے معاشرہ

میں قرآنی قوانین کا نفاذ کچھ مشکل نہیں ہوتا۔ لیکن جب (اور جہاں) پورے کا پورا معاشرہ غیر قرآنی خطوط پر متشکل ہو، وہاں وہ چند نفوس جو قرآنی منشار کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہیں، اپنے آپ کو بڑی مشکل میں پاتے ہیں۔ مثلاً اس پردے کے سوال کو لو۔ قرآنی معاشرہ میں اکثریت ان لوگوں کی ہوگی جو تحفظِ عصمت کو اپنی زندگی کا بنیادی جزو قرار دیں گے۔ ان میں سے ہر مرد، اپنی بیوی کے علاوہ، کسی عورت کی طرف نگہ خیانت سے دیکھنا تک بھی خدا کا جرم سمجھیگا اور اسی طرح ہر عورت، اپنے خاوند کے علاوہ کسی مرد کی طرف دیکھنا۔ اس معاشرہ میں مردوں اور عورتوں کی نگاہیں خود بخود شرم وحیا سے نیچی رہیں گی اور کبھی شوخی اور بیباکی سے اوپر نہیں اٹھیں گی۔ اب رہے وہ لوگ جو اپنے دل میں خباثتوں کو چھپائے ہوں گے تو معاشرہ کی طرف سے ان کا پورا پورا، علاج کیا جائے گا۔ چنانچہ قرآن نے جہاں مومن عورتوں کو اس انداز سے جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے، باہر نکلنے کے لئے کہا ہے، اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا ہے کہ معاشرہ کے بدنیت طبقہ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ اس طبقہ کو وہ "منافقین" کے نام سے پکارتا ہے۔ قرآن کی یہ اصطلاح بڑی جامع ہے۔ اس سے مراد ہیں وہ لوگ جو مسلمانوں کے معاشرہ کا جزو بن کر تو رہیں لیکن ان حدود و قیود کی پابندی سے جی چرائیں جو اس معاشرہ پر عائد کی جائیں اور ہمیشہ اس فکر میں رہیں کہ ان پابندیوں سے گریز کی راہیں کس طرح نکالی جا سکتی ہیں۔ منافق، نفق سے ہے جس کے معنی ہیں ایسی سرنگ جو دونوں طرف سے کھلی ہو۔ لہٰذا منافق وہ ہے جو معاشرہ کے حدود و قیود کو اپنے اوپر عائد کرنے سے پہلے یہ دیکھے کہ ان سے نکلنے کا راستہ کونسا ہے۔ قرآن نے مومن عورتوں سے کہا کہ وہ باہر نکلیں تو اپنی زینت کو جلباب سے چھپا کر نکلیں تاکہ ہر دیکھنے والے کو معلوم ہو جائے کہ ایک عفت مآب شریف زادی چلی جا رہی ہے۔ اس کے بعد ہے کہ لئن لم ینتہ المنٰفقون والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینۃ۔ اگر منافقین یعنی وہ لوگ جن کے دل میں خباثت کا مرض ہے اور جو طرح طرح کی جھوٹی خبریں پھیلا کر معاشرہ میں بدامنی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اپنی شرارتوں سے باز نہ آئیں تو پھر لنغرینک بھم۔ معاشرہ کی انتظامی مشینری کے لئے ضروری ہو جائے گا کہ ان کے خلاف اٹھے اور ضروری کارروائی کرے۔ اس کے بعد اس تادیبی اقدام کا ذکر ہے جو ایسے لوگوں کے خلاف کیا جائے گا۔ اس کی پہلی کڑی یہ ہے کہ ان لوگوں کو معاشرہ سے دور رکھکر ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے (ثم لا یجاورونک فیھا الا قلیلاً) اگر وہ اس پر بھی اصلاح پذیر نہ ہوں تو انھیں حقوق شہریت اور دیگر مراعات و مفاد سے محروم کر دیا جائے (ملعونین)۔ اگر اس پر بھی وہ باز نہ آئیں تو انھیں گرفتار کیا جائے (اینما ثقفوا اُخذوا)۔ اور اگر وہ حکومت کے اس اقدام کے خلاف سرکشی اختیار کریں اور قانون کا مقابلہ کریں تو اس بغاوت کی سزا قتل ہے (وقتلوا تقتیلا۔ ۳۳/۶۱) اس کے بعد قرآن کہتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں جو ہم نے کہی ہے۔ سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل۔ جہاں اور جب کبھی خدائی قوانین کے مطابق معاشرہ کی تشکیل ہوتی ہے وہاں معاشرہ میں فساد پیدا کرنے والوں کے خلاف ایسے ہی احکام نازل کئے گئے ہیں۔ یہ سنۃ اللہ ہے۔ یہ خدا کا عام اسلوب ہے ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (۳۳/۶۲) اور چونکہ خدا کے قوانین، حقیقتِ کلی پر مبنی ہوتے ہیں اس لئے ان قوانین میں تم کبھی کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

تم نے ضمناً طاہرہ! یہ بھی دیکھ لیا کہ قرآن کے نزدیک، عفت کا تحفظ کس قدر بنیادی اصولِ زندگی ہے۔ ایسا بنیادی اصل کہ اس کی حفاظت کو خدا نے اپنی سنت ابدی قرار دیا ہے۔ اور ان قوانین کو غیر متبدل ٹھہرایا ہے جن میں زمانے کے حالات بدلنے سے کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ بالفاظ دیگر، تحفظِ عصمت، قرآن کی رو سے ایک مستقل قدر (PERMANENT VALUE) ہے جس پر زمانے کے تغیرات قطعاً اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ یہ آج بھی اسی طرح سے مستقل قدر ہے جس طرح ہزار سال پہلے تھی۔

ہاں! تو یہ صورت ہوگی اس معاشرہ میں جو قرآنی خطوط پر تشکیل ہوگا۔ اسے سامنے رکھو اور اس کے بعد اپنے معاشرے پر نگاہ ڈالو جس میں عام حالت یہ ہے کہ ہماری نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کے باہر جانے کا جذبہ محرکہ ہی زینت کی نمود اور حسن کی نمائش ہوتا ہے (خواہ ان میں حسن کہیں نام کو بھی نہ ہو۔ اس لئے کہ حسن صحت سے پیدا ہوتا ہے اور عصمت سے باقی رہتا ہے۔ اور ہمارے معاشرے میں یہ دونوں چیزیں کمیاب ہیں)۔ ضرورت اور کام تو فقط (شعوری یا غیر شعوری طور پر) ایک بہانہ ہوتا ہے۔ ایسا ہی بہانہ جیسا ہمارا ایک شاعر کہہ گیا ہے

روز کہتا ہوں نہ جاؤں گا کبھی گھر اُن کے روز اُس کوچے میں اک کام نکل آتا ہے

اگر کہیں ایسا انتظام کر دیا جائے کہ جن شاہراہوں پر ہماری یہ بچیاں اور عورتیں، بایں آوارگیٔ زلف و چاکیٔ داماں، شام کو "کام کے لئے" نکلتی ہیں، وہاں کوئی مرد نہ جانے پائے تو تم دیکھو کہ دو چار دن میں ان کے سارے کام ختم ہو جائیں اور سب اُداس ہو کر گھروں میں بیٹھ جائیں۔ یہ زیادہ تر انہی کی نگاہوں کی بدآموزی ہے جس نے نوجوان کی جراتوں کو اس درجہ بے باک اور بے لگام کر رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں حالت یہ ہو کہ

صید خود صیاد را گوید بگیر

وہاں شکار کے لئے کسی لائسنس کی ضرورت کہاں رہتی ہے؟

اِدھر عورتوں کی یہ کیفیت ہے اور اُدھر مردوں کا یہ عالم کہ اگر کوئی شریف زادی اس طرح لپٹے لپٹائے جا رہی ہے کہ زینت کا کوئی مقام بھی ظاہر نہیں ہونے پاتا تو یہ اتنے ہی سے اپنے جذبۂ ہوسناکی کی تسکین کر لیتے ہیں کہ

من اندازِ قدت را می شناسم!

اور خود ہی سوال اور خود ہی جواب سے اپنے "معاشقہ" کی تکمیل کر لیتے ہیں۔ قوم کے نوجوان طبقہ کی (جس میں تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ کی کوئی تمیز باقی نہیں رہی۔ بلکہ تعلیم یافتہ طبقہ اس میدان میں خیر سے پیش پیش ہے) یہ بدنہادی اور بے لگامی دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے جس کی وجہ سے شریف لڑکیوں کا برقعوں میں تو ایک طرف بند گاڑیوں تک میں باہر نکلنا بھی دشوار ہو رہا ہے۔

اور ان سب کے اوپر ہے وہ طبقہ جس نے اس نیچے کے طبقے کی صحیح تعلیم و تربیت کا صحیح انتظام کرنا تھا۔ اس طبقے کے متعلق تو کچھ نہ کہنا ہی بہتر ہے۔

ان حالات میں، میری بیٹی، بتاؤ کہ میں تمہیں کیا مشورہ دوں کہ ہمیں معاشرتی طور پر کیا کرنا چاہئے؟ میرا مشورہ اس گوشے میں بھی وہی ہے جو زندگی کے دوسرے گوشوں کے متعلق ہوتا ہے۔ یعنی ہم اپنے معاشرے کو بدل کر قرآنی خطوط پر تشکیل کریں۔ جب یہ بنیاد درست ہوگئی تو اس کے اوپر اٹھی ہوئی عمارت کا ہر گوشہ اور ہر زاویہ درست ہوگا۔ اس کیلئے بنیادی مسئلہ تعلیم کا ہے۔ تعلیم کی ابتدا گھر سے ہوتی ہے۔ اسکولوں اور کالجوں میں اس کی نشوونما ہوتی ہے۔ جہاں تک ابتدائی مرحلہ کا تعلق ہے یہ تمہارا اور تمہارے جیسی اور ماؤں کا کام ہے جو منشائے قرآنی کو سمجھ چکی ہیں اور اس پر عمل پیرا ہونے کی آرزومند ہیں۔ اس کے بعد اسکولوں اور کالجوں کی باری آتی ہے سو اس تعلیم کا بدلنا نہ میرے بس کی بات ہے نہ تمہارے بس کی۔ یہی تعلیم ہے جو درحقیقت ہمارے نوجوان بچوں اور بچیوں کی تباہی کا موجب بن رہی ہے۔ یہ تعلیم ایک غیر ملکی، غیر اسلامی حکومت نے محکوم قوم کے بچوں کو خاکبازی سکھانے کے لئے وضع کی تھی جس میں تعمیر سیرت، تطہیر فکر، پاکیزگی قلب اور عفت نگاہ کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا تھا۔ نہیں! بلکہ اس تعلیم کو ان بنیادوں پر استوار کیا گیا تھا جن سے ذہن میں آوارگی، نگاہوں میں بےباکی اور دل میں ہوسناکی کے جذبات کی پرورش اور انگیخت ہو۔ اس تعلیم کے ساتھ عریاں لٹریچر کا سیلاب بےپناہ چاروں طرف سے امنڈ کر چلا آرہا ہے۔ پھر ہر گلی کوچے میں سینما اور اس کی حیاسوز مناظر فروشیاں۔ یہ کچھ باہر ہوتا ہے اور گھروں کے اندر خاموش گوشوں میں ریڈیو اور اس کی ہیجان خیز نغمہ باریاں۔ ذرا سوچو کہ اس طوفانِ بدتمیزی میں بچوں اور بچیوں سے یہ توقع رکھنا کہ وہ "نگاہیں نیچی رکھنے والے" "پاکیزہ جذبات لیکر پروان چڑھیں گے"۔ "کجدار و مریز" کی توقع نہیں تو اور کیا ہے؟ ہمارے پاس اس کوہ آتش فشاں کے سیل بےپناہ کو روکنے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں کہ ہم اپنے معاشرہ میں قرآن کی آواز کو عام کرتے جائیں۔ میں نے اپنی زندگی اسی کوشش میں صرف کردی اور باقی زندگی بھی اسی جدوجہد میں بسر کردینے کی آرزو ہے۔ میں جانتا ہوں کہ

ہے میری بساط کیا جہاں میں   بس ایک فغانِ زیر بامی

لیکن اس کے باوجود میں اپنی دھن میں آگے بڑھتا چلا جارہا ہوں۔ اگر میں مرتے وقت دوچار سلیم جیسے بیٹے اور دوچار طاہرہ جیسی بیٹیاں بھی چھوڑ گیا جو اس ننھے سے دیئے کو جلائے رکھیں، تو یہ میری جگر کاویوں کا کافی صلہ ہوگا۔ والسلام

پرویز   نومبر ۱۹۵۳ء

❖ ❖ ❖

❖ ❖

❖

باسمہ تعالیٰ

تنقید مضامین احادیث نزولِ عیسیٰ علیہ السلام

(علامہ تمنا عمادی)

[علامہ تمنا عمادی کے اس تحقیقی مقالہ کی تین قسطیں طلوع اسلام بابت اگست، ستمبر، اکتوبر ۱۹۵۳ء میں شائع ہو چکی ہیں۔ اس کی چوتھی قسط پیش خدمت ہے۔ اس کے بعد غالباً دو قسطیں اور بھی ہونگی۔ دفتر میں جو خطوط موصول ہو رہے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر بڑی دلچسپی لی جا رہی ہے اور علامہ تمنا کی اس تنقید کو بہت سراہا جا رہا ہے۔ قارئین کا تقاضا ہے کہ جناب تمنا ظہور مہدی کی احادیث کے متعلق بھی اپنی تحقیق سے مستفید فرمائیں۔ طلوع اسلام]

چونکہ صحیح بخاری کا درجہ حدیث کی تمام کتابوں سے اعلیٰ وارفع سمجھا جاتا ہے، اس لئے میں صحیح بخاری کی حدیثوں کو مرکزی نقطے کی حیثیت دیکر صحاح کی دوسری حدیثوں کا تنقیدی دائرہ کھینچتا ہوں۔ تاکہ کسی قدر اختصار بھی ہو اور سمجھنے والوں کو سہولت ہو۔

لیکن سب سے پہلے یہی قابل توجہ ہے کہ بخاری میں صرف ابوہریرہؓ سے اور وہ بھی صرف دو ہی حدیثیں مروی ہیں، اور صرف ایک ہی جگہ جو درحقیقت ان دونوں حدیثوں کے لئے کوئی مناسب محل نہ تھا۔ امام بخاریؒ ایک حدیث کو مختلف مضمونی مناسبتوں کے مطابق متعدد جگہ روایت کرتے ہیں مگر ان دو حدیثوں کو بے محل تو ذکر کرتے ہیں اور جو محل ان کے ذکر کا تھا وہاں نہیں ذکر کرتے۔ دوسری حدیثیں جو حضرت ابوہریرہؓ ہی سے مروی ہیں یا دوسرے صحابہ کی طرف منسوب ہیں، وہ اکثر انہی شیوخ سے مروی ہیں جن سے امام بخاری برابر حدیثیں روایت کرتے رہے۔ پھر یہ دوسری حدیثیں جو امام مسلم و ترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ کو ملیں، ان شیوخ نے امام بخاری سے کیوں نہیں بیان کیں۔ آخر امام بخاریؒ کے ان شیوخ نے ان حدیثوں سے امام بخاری کو کیوں بے خبر رکھا؟ حقیقت یہ ہے کہ من گھڑت حدیثیں بنانے والوں نے شروع شروع دو ہی حدیثیں گھڑی تھیں جو کسی طرح بے محل ہی سہی بخاری میں داخل کر دی گئیں۔ اس کے بعد جب زیادہ حدیثیں تیار ہو گئیں تو بخاری میں ان کے داخل کرنے کی گنجائش باقی نہ رہی۔ صحیح مسلم کی تدوین بخاری کے بعد ہوئی ہے اس لئے صحیح مسلم میں اطمینان کے ساتھ کافی حدیثیں داخل کر دی گئیں چونکہ امام مسلم نیشاپوری تھے اور نیشاپور بھی وضع احادیث کا ایک مستقل مرکز مدتوں تک رہا ہے ممکن ہے کہ یہ حدیثیں وہیں گھڑی گئی ہوں اور پھر ترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ میں بھی کچھ کچھ حدیثیں داخل کر دی گئیں۔ ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ امام بخاری کے شیوخ نے ان دوسری حدیثوں کو بھی امام بخاری کے سامنے پیش کیا تھا مگر امام بخاری نے ان کو رد کر دیا اور قابل قبول وہ انہیں نہیں سمجھے۔

بہرحال اب مضامین احادیث کی طرف توجہ فرمایئے۔ میں نے پہلی قسط کے آخر میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس موضوع سے متعلق حدیثیں گھڑنے والوں نے دو مضمون کی حدیثیں گھڑیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت عیسیٰؑ آئیں گے تو وہ کیا کیا کریں گے۔ دوسرے یہ کہ جب حضرت عیسیٰؑ آئیں گے تو مسلمانوں کی اس وقت کیا کیا کیفیتیں ہوں گی۔ اسی مناسبت سے دوسری کتابوں میں بھی انھیں دونوں طرح کی حدیثیں گھڑگھڑ کر بھری گئیں۔ تو اب صحیح بخاری کی پہلی حدیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔ امام بخاریؒ اپنے سلسلہ اسناد کے مطابق فرماتے ہیں کہ سعید بن المسیب نے ابوہریرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، ضرور ضرور عنقریب تم میں ابن مریم اتریں گے ایک عادل حاکم کی حیثیت سے، تو وہ صلیب کو توڑیں گے، سوروں کو قتل کریں گے، جنگ کو موقوف کردیں گے اور وہاں اس حد تک لٹائیں گے کہ کوئی اس کا قبول کرنے والا نہ رہے گا۔ یہاں تک کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر سمجھا جائے گا۔ پھر ابوہریرہؓ نے کہا کہ اگر تم چاہو تو پڑھو وان من اھل الکتٰب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ . . . . . شہیدا تک

اس حدیث کے متعلق سب سے پہلے تو خود صحیح بخاری ہی کے نسخوں کے اختلاف کے متعلق غور کرنا چاہیے۔ صحیح بخاری مطبع احمدی میرٹھ جلد اول ص۴۹۰ اور فتح الباری مطبوعہ مطبع انصاری دہلی جلد ۳ ص۲۸۷ اور ایک نسخہ قدیم قلمی مکتوبہ ۱۰۸۳ھ جلد اول ص۶۸۵ میں یضع الحرب ہے یعنی حضرت عیسیٰ جنگ کو موقوف کردیں گے۔ خود حافظ ابن حجر عسقلانی کے سامنے جو نسخہ تھا اس میں بھی یہی عبارت تھی۔ چنانچہ شرح کرتے ہوئے وہ تحریر فرماتے ہیں قولہ ویضع الحرب فی روایۃ الکشمیھنی الجزیۃ یعنی امام بخاری کا قول ویضع الحرب جو صحیح بخاری میں ہے وہ کشمیہنی کی روایت میں الحرب کی جگہ الجزیۃ ہے۔ اور یہ لکھ کر وہ پھر یضع الجزیۃ کی شرح کرنے لگے یعنی حضرت عیسیٰ حرب (جنگ) کو نہیں بلکہ جزیہ کو موقوف کریں گے۔ کیوں جزیہ کو موقوف کریں گے اور کس وجہ سے موقوف کریں گے، اس کو ابن حجر سمجھانے لگے اور یضع الحرب کو صاف کھا گئے۔

صحیح بخاری کے اکیس[21] نسخے مشہور ہیں۔ فربری[1]، حموی[2]، مستملی[3]، ابن عساکر[4]، سرخسی[5]، اصیلی[6]، قابسی[7]، مروزی[8]، ابوذر[9]، ابوالوقت[10]، نسفی[11]، صغانی[12]، ابوالسکن[13]، ابواحمد الجرجانی[14]، ابن شبویہ[15]، ابوالہیثم[16]، تبریزی[17]، کشمیہنی[18]، شیخ ابن حجر[19]، قسطلانی[20] اور کریمہ[21] بنت احمد بن حاتم المروزی۔ ان اکیس نسخوں میں سے بیس نسخوں میں ویضع الحرب ہے یعنی حضرت عیسیٰ جنگ کو موقوف کردیں گے۔

---

[1] کشمیہنی۔ کشمیہن بضم کاف مرو کے علاقے میں اس سے پانچ کوس کے فاصلے پر ایک قریہ تھا ماوراء النہر کے راستے پر۔ ابومحمد حیان بن موسیٰ بن سوار الکشمیہنی یہیں کے مشہور محدث تھے جو عبداللہ بن مبارک کے شاگرد تھے اور ان سے حدیثیں بہت روایت کیا کرتے تھے۔ اور امام بخاری کے شیخ تھے۔ ۲۳۲ھ یا ۳۱ میں وفات پائی۔ دوسرے ابوالہیثم محمد بن مکی بن محمد بن زراع بن ہارون بن زراع الکشمیہنی ہیں جن کی وفات ۳۸۹ھ میں ہوئی۔ صحیح بخاری کے یہی دوسرے کشمیہنی صاحب راوی ہیں۔ خراسان میں صحیح بخاری انھیں سے پہنچی اور انھوں نے اکثر عجمی شہروں میں اور پھر عراق و حجاز وغیرہ میں اپنے نسخہ صحیح بخاری کے پھیلانے کی بہت کوشش کی۔ امام بخاری کی وفات کے ۱۳۳ برس بعد ان کی وفات ہے۔ صحیح بخاری کی اشاعت اپنے خاص نسخے کے مطابق انھوں نے امام بخاری کی وفات کے بعد ہی کی۔ مگر واضح رہے کہ ان کشمیہنی صاحب کو صحیح بخاری امام بخاریؒ سے بلاواسطہ نہیں ملی تھی بلکہ غالباً انھوں نے امام بخاری کو دیکھا بھی نہ ہوگا۔ انھوں نے محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفربری سے صحیح بخاری کا نسخہ پایا

(باقی حاشیہ برصفحہ آئندہ)

صرف ایک کشمیہنی کے نسخے میں ویضع الجزیۃ ہے یعنی حضرت عیسیٰؑ جزیہ لینا موقوف کر دیں گے۔ خود ابن حجر کے نسخے میں بھی وہی یضع الحرب ہی ہے۔ مگر بیس نسخوں کی متفق علیہ تحریر کو ناقابل توجہ گویا غلط قرار دے کر اس کو نظر انداز کر دینا اور صرف ایک نسخے کی تحریر کو صحیح قرار دے کر اسی کی شرح کرنا صاف بتا رہا ہے کہ یضع الحرب کے مفہوم میں کوئی چیستاں تھی، اسی لئے بخاری کی اس حدیث کے بعد جتنی حدیثیں گھڑی گئیں سب میں یضع الجزیۃ ہی رکھا گیا۔ مگر بخاری میں جو یضع الحرب داخل کیا جا چکا تھا اور اس کے متعدد نسخے مختلف راویوں کے ذریعے تمام پھیل چکے تھے، اس کو کیا کیا جاتا۔ تو کسی طرح کشمیہنی کے نسخے میں جو "الحرب" لکھا ہوا تھا اس کی حائے حطی کے نیچے اور رائے مہملہ کے اوپر ایک ایک نقطہ دیدیا گیا اور "ب" کے نیچے ایک اور نقطہ بڑھا کر اس کے ساتھ ہائے ہوز لگا کر اس پر دو نقطے دیدیئے تو اس کی یہ شکل ہوگئی "یتہ" یا صرف ایک شوشہ ہی بڑھا دیا ہو اس طرح "یتہ" پھر کیا تھا وہ یضع الحرب جو تھا کس آسانی سے یضع الجزیۃ بن گیا۔ پھر بعد والوں کو یہ کہنے کا موقعہ مل گیا کہ دوسری کتابوں میں جتنی حدیثیں اس موضوع سے متعلق آئی ہیں ان سبھوں میں الجزیۃ ہے تو پھر بخاری میں الحرب کیوں ہونے لگا۔ یقیناً وہ کشمیہنی والا نسخہ صحیح ہے۔ مگر اہل انصاف کبھی اس کو باور نہیں کر سکتے کہ بیس نسخے تو غلط ہوں اور صرف ایک نسخہ صحیح ہو۔ اسلئے حقیقت یہی ہے کہ بخاری میں ویضع الحرب ہی کی روایت ہے، بعد کو اس کی غیر معقولیت محسوس کر کے الحرب کو الجزیۃ بنایا گیا۔

موقوفی حرب اور موقوفی جزیہ دونوں کے مفہوم میں جو تضاد ہے، ظاہر ہے۔ موقوفی حرب کا مطلب تو یہی لیا جائے گا کہ حضرت عیسیٰؑ صرف تبلیغ سے کام لیں گے اور کفار کے ساتھ جہاد بالسیف اور قتال نہیں کریں گے بلکہ جہاد کو منسوخ کر دیں گے اور موقوفی جزیہ کا یہ مطلب ہے کہ وہ اہل کتاب سے اس وقت تک لڑتے رہیں گے کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ قرآن مبین نے جو اہل کتاب سے جزیے کر صلح کر لینے کی اجازت دی ہے اس کو وہ منسوخ کر دیں گے۔ بس دو ہی صورت باقی رکھیں گے یا غیر مسلمین اسلام قبول کر لیں یا تلوار کے گھاٹ اتار دیئے جائیں۔ تو یضع الحرب سے جہاد و قتال کے حکم کی منسوخی اور یضع الجزیۃ سے جہاد و قتال ہی پر عمل مگر جزیہ لینے کی اجازت کی منسوخی نکل رہی ہے۔ دونوں کا تضاد صاف نمایاں ہے، اور بہرحال قرآن مبین کا ایک نہ ایک حکم منسوخ ضرور ہو رہا ہے۔ اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں کہ حضرت عیسیٰؑ جو دوبارہ آئیں گے تو شریعت محمدیہ ہی کا اتباع کریں گے۔ کیونکہ بخاری کی یہ حدیث بتا رہی ہے کہ وہ جہاد و قتال کا حکم منسوخ کر دیں گے اور صحاح کی دوسری حدیثیں بتا رہی ہیں کہ وہ جزیہ لینے کی اجازت جو قرآن میں ہے اس کو منسوخ کر دیں گے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ وہ ایک امتی بن کر نہیں آئیں گے بلکہ ایک صاحب شریعت نبی ہونے کی حیثیت سے آئیں گے جس طرح پہلی مرتبہ آئے تھے۔ پہلی بار بھی انھوں نے تورات کے تمام احکام کو تو منسوخ کیا نہ تھا۔ بعض چیزیں جو بنی اسرائیل یعنی یہودیوں پر تعزیراً حرام کر دی گئی تھیں انھوں نے اس تعزیری حکم کو منسوخ کر کے

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) اور انھیں کو سایا فربری کی وفات ۳۲۰ھ میں ہوئی یعنی کشمیہنی کی وفات سے ۳۱ برس بعد۔ مگر معلوم نہیں کشمیہنی کے نسخہ بخاری میں فربری کے نسخہ سے اختلافات پھر کیوں ہوئے۔ فربری کے نسخے میں تو یضع الحرب ہی ہے کشمیہنی صاحب یضع الجزیۃ کہاں سے لے آئے۔ یقیناً یہ تبدیلی بعد کو کر دی گئی ۱۲ منہ غفرلہ

بحکم الٰہی ان چیزوں کو بنی اسرائیل کے لئے حلال کر دیا تھا اور ان کے باہمی اختلافات کا فیصلہ کر دیا تھا۔ اسی طرح بقول راویانِ احادیث اب کے بھی آئیں گے تو جہاد یا جزیہ یا دونوں کا حکم منسوخ کر دیں گے۔ اور قرآن کے باقی احکام باقی رکھیں گے اور سوروں کے قتل کا حکم اگرچہ شریعتِ محمدیہ میں نہیں ہے مگر وہ اپنی نئی شریعت کی رو سے جس کو وہ دوبارہ آنے کے وقت اپنے ساتھ لائیں گے اس پر عمل کریں گے۔ غرض وہ جب شریعت محمدیہ میں محو و اثبات کا حکم لیکر آئیں گے تو ان کا وہ محو و اثبات یقیناً اپنی لائی ہوئی نئی ہی شریعت کے مطابق ہوگا، نہ کہ شریعتِ محمدیہ کے مطابق۔ شریعت محمدیہ کے جن احکام کو بحال و برقرار رکھیں گے وہ اپنی نئی شریعت اور اپنی صوابدید کے مطابق، نہ کہ اتباعاً۔ اس اعتراض کا جواب محدثین سے کچھ نہ ہو سکا۔ ابن حجر عسقلانی فتح الباری جلد ۱۳ ص ۲۸۱ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ وضع حرب یا وضع جزیہ رسول اللہ صلعم کی پیشین گوئی کے مطابق کریں گے، تو یہ آپ کے فرمانے کے مطابق ہی ہوا۔ اس لئے انھوں نے اس حیثیت سے شریعت محمدیہ کا اتباع ہی کیا۔ یہ جواب ہوا یا بات بنانا ہوا؟ پیشین گوئی حدیثوں ہی میں دجال کے متعلق بھی ہے کہ وہ یہ کریگا اور وہ کریگا۔ تو کیا وہ جو کچھ کرے گا وہ شریعت محمدیہ کے اتباع میں کریگا۔ اور احکام نبوی بجا لائے گا؟ جب تو مسیح موعود و مسیح دجال دونوں کی ایک جیسی حیثیت اتباع شریعت محمدیہ میں ہوگی اور کوئی وجہ نہیں کہ کسی کو اچھا سمجھا جائے اور کسی کو برا کہا جائے۔

اور اس جواب سے ایک بات یہ بھی ٹپک رہی ہے کہ قرآن کچھ اور چیز ہے اور شریعتِ محمدیہ کچھ اور چیز۔ حضرت عیسیٰؑ جو آئیں گے تو وہ قرآن کے بعض احکام کو تو منسوخ کر سکیں گے مگر شریعتِ محمدیہ کو منسوخ نہیں کر سکیں گے بلکہ اس کا اتباع کریں گے۔

ایک ادبی نکتہ بھی اس حدیث میں قابلِ لحاظ ہے کہ متکلم کوئی بات تاکید بالائے تاکید اور پھر قسم کھا کر بھی کہتا ہے جب وہ یہ اچھی طرح جانتا ہو کہ مخاطب شخص یا جماعت میری بات باور نہ کرے گی، اور اسی بات یا دعوے کے ثبوت میں کوئی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی، تو حروف تاکید اور قسم کے ذریعے سامعین کو اپنی بات کا یقین دلایا جاتا ہے۔ مگر اس خبر دہی کے مخاطب تو آنحضرت صلعم کے سامنے آپ کے صحابہؓ ہی تھے جو آپ کے نبی مرسل اور مخبر صادق ہونے پر ایمان کامل رکھتے تھے اور آپ کی ہر بات پر سچے دل سے اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا ہی کہا کرتے تھے، کفار تو کفار ہی تھے، منافقین بھی آپ کے مخاطب نہ تھے۔ پھر اس خبر دہی میں دو دو حروف تاکید اور ایک زبردست قسم کی کیا ضرورت تھی؟ یہ بے آب موزہ کشیدن تو فصحا و بلغا کے دستور کے خلاف ہے، یہ بے محل حروف تاکید اور قسم کا استعمال صاف طور سے اس کی نشان دہی کر رہا ہے کہ یہ عجمی طرز بیان ہے۔ رسول عربی افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انداز گفتگو نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ دیکھئے ایک پیشین گوئی کی ایک صحیح حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا تکثر لکم الاحادیث بعدی فما روی لکم حدیث عنی فاعرضوہ علی کتاب اللہ فما وافقہ فاقبلوہ وما خالفہ فردّوہ۔ یعنی میرے بعد تمہارے سامنے حدیثوں کی بڑی کثرت ہوگی تو جو حدیث میری طرف منسوب کر کے تمہارے سامنے روایت کی جائے، اس کو کتاب اللہ (یعنی قرآن) کے سامنے پیش کرو، تو جو اس کے موافق ہو اس کو قبول کرو اور جو اس کے خلاف ہو اس کو رد کر دو۔

یہ بھی پیشین گوئی ہی ہے اور نہایت سچی پیشین گوئی ہے مگر آپ نے لتکثرن، والذی نفسی بیدہ کے ساتھ نہیں فرمایا۔ یعنی نہ حروف تاکید لگائے نہ قسم کھائی، کیونکہ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی، جو لوگ مخاطب تھے آپ کی ہر بات پر ان کا ایمان تھا۔

اصل یہ ہے کہ ان حدیثوں کے گھڑنے والوں کے دلوں میں خود چور تھا، وہ سمجھتے تھے کہ ہم ایک ایسی بات رسول کی طرف منسوب کر رہے ہیں جس کا ذکر قرآن مجید میں اشارۃً کنایۃً کسی طرح بھی نہیں، اس لئے لوگ ایسی بات سن کر ضرور متحیر ہوں گے، وہ خود قسم کھاتے کہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرور ضرور فرمائی ہے، تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ ان کو خود اس کا گمان غالب یا یقین تھا کہ ان کی روایت کو سامعین باور نہ کریں گے اس لئے یہ قسم کھا کر اور حروف تاکید لگا کر کہہ رہے ہیں، اس لئے انھوں نے ان حروف تاکید اور قسم کو نفس حدیث ہی میں داخل کر دیا۔ حدیث تو جھوٹی تھی ہی اس کے سر پر جھوٹی قسم کی پگڑی بھی باندھ دی۔ اور پھر حروف تاکید کا طرہ بھی اس میں ٹھونس دیا۔ کہ اب تو سامعین صرف واللہ باللہ نہیں بلکہ والذی نفسی بیدہ والی لمبی چوڑی، ٹھوس قسم اور دو دو حروف تاکید سے مرعوب ہو کر اس جھوٹی حدیث کو سچی سمجھ لیں گے۔

عجمی منافقین و ملاحدہ جو جھوٹی حدیثیں گھڑا کرتے تھے ہر چند عربی ادب کے بڑے ماہر ہی ہوا کرتے تھے اور وہ چھوٹی حدیثیں جو گھڑا کرتے تھے، تو کچھ پانی کے کچے گھڑے نہیں بھرا کرتے تھے، مگر یہ بھی ایک معجزۂ نبوت ہی ہے کہ ان وضاعین و کذابین کی مہارت ادب عربی کے باوجود ان کی من گھڑت بعض حدیثوں میں ایسی باتیں ضرور رہ جاتی تھیں جن سے اہل انصاف و دیانت جو روایت پرست نہیں ہیں، حق و باطل کی تمیز کرنا چاہتے ہیں وہ ضرور بادنیٰ تامل سمجھ لیں کہ یہ حدیث رسول اللہ صلعم کی نہیں ہے بلکہ منافقین عجم کی ساختہ و پرداختہ ہے۔

میرے بعض معاصر جو یہ کہتے ہیں کہ جھوٹی اور سچی حدیثوں کے سمجھنے کے لئے مزاج شناس نبوت ہونا شرط ہے۔ میں بھی یہی کہتا ہوں، مگر مزاج شناس نبوت وہی ہو سکتا ہے جو پہلے مزاج شناس قرآن ہو چکا ہو۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے آنحضرتؐ کے اخلاق کے متعلق پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا کہ خُلُقُہُ القرآن۔ اسی لئے جس کا بے لوث غور و تدبر جس قدر قرآنی آیات میں ہوگا اسی قدر وہ مزاج شناسِ[1] نبوت ہوگا۔ سنائی نے کیا خوب کہا ہے:

عروس معنی قرآں نقاب آنگہ برانداز ۔۔۔ کہ خلوتخانۂ دل را مجرد سازی از غوغا

مگر روایت پرستی انسان کو جس طرح قرآن سے کوسوں دور پھینک دیتی ہے اسی طرح رسول سے بھی بعید تر کر کے چھوڑتی ہے۔ چنانچہ امام شعبہ نے اپنے حلقہ سے فرمایا تھا کہ کلما تقدمتم فی الحدیث تاخرتم عن القرآن۔ جتنا تم حدیث کی طرف آگے بڑھو گے قرآن سے اتنا ہی پیچھے چھوٹتے جاؤ گے۔ یہ ایک ایسا الہامی قول ہے کہ اس کا ثبوت بڑے بڑے محدثین کی تصنیفوں میں جا بجا دیکھنے میں آتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے موقع دیا تو اس کی متعدد مثالیں میں پیش کر کے دکھا دونگا کہ انہماک فی الحدیث کی بدولت محدثین کس

---

[1] لیکن اسے بھی اپنے خیال کی تائید میں قرآن سند پیش کرنی ہوگی۔ کسی انسان کا ذاتی خیال، دین میں سند نہیں ہو سکتا۔ علامہ تمنا صاحب کا بھی یہی مطلب ہے۔ (طلوع اسلام)

کس طرح قرآن سے غافل رہے ہیں۔ امام شعبہ نے صرف صغریٰ ہی پیش کیا ہے میں اس میں کبریٰ کا اضافہ اس طرح کر دیتا ہوں کہ وکلما تاخرتم عن القرآن تاخرتم عن الرسول یعنی اور جسقدر تم قرآن سے پیچھے چھوٹے اسی قدر رسول سے بھی پیچھے چھوٹے۔ اب صغریٰ وکبریٰ کے مرتب ہو جانے کے بعد آپ لامحالہ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ فکلما تقدمتم فی الحدیث تاخرتم عن الرسول یعنی جس قدر تم حدیثوں کی طرف آگے بڑھو گے اسی قدر تم رسول سے پیچھے چھوٹو گے۔ اور اس نتیجے کی صحت کا ثبوت یہ ہے کہ روایت پرستی کے جذبے سے متاثر ہو کر حدیثوں کے پرستار صرف رسول صلعم کا نام تو لیتے ہیں کیونکہ اس سے ان کو مفر نہیں ہے مگر ان کے مطمح نظر ان کے شیوخ وجامعین احادیث اور راویوں کی جماعت ہوتی ہے۔ اسی لئے یہ اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ کسی حدیث سے قرآنی آیات مشتبہ ہو رہی ہوں، رسول صلعم کے اخلاق حسنہ پر حرف آرہا ہو، ہر چہ باشد مگر یہ ان روایتوں کی خلافِ عقل تاویلیں کر کے ان کی توثیق ضرور کرتے رہیں گے۔

غرض صحیح بخاری کی اس پہلی حدیث میں جو نزول عیسیٰؑ کے متعلق ہے، بے ضرورت[1] قسم اور دو دو حرف تاکید کا استعمال اس حدیث کے گھڑنے والے کی عجمیت اور اس حدیث کے کذب وافترا ہونے کی ایک واضح دلیل ہے۔

اسی مضمون کی حدیثیں جو صحاح کی دوسری کتابوں میں ہیں، اب ذرا ان پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔ یہی حدیث بالکل اسی اسناد کے ساتھ صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۷ مطبوعہ مطبع علیمی دہلی میں ہے۔ دیکھئے کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ بن مریم علیہما السلام۔ حاکما بشریعۃ نبینا صلے اللہ علیہ وسلم واکرام ھذہ الامۃ زادھا اللہ شرفا وبیان الدلیل علی ان ھذہ الملۃ لا تنسخ وانہ لا تزال طائفۃ منھا ظاھرین علی الحق الی یوم القیمۃ۔ یعنی "یہ وہ باب ہے جس میں اس کا بیان ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق احکام جاری کرنے والے ہو کر اتریں گے، اور اس میں اس امت کی بزرگی ہے، اللہ اس کے شرف کو بڑھائے اور اس کی دلیل بھی اس باب میں ہے کہ یہ دین منسوخ نہ ہوگا اور قیامت تک ایک ایسی جماعت ہمیشہ رہے گی جو حق پر قائم رہتے ہوئے غالب رہے گی"۔

اتنے لمبے چوڑے ترجمے والے باب میں اور حدیثوں کے ساتھ یہ حدیث بھی انھیں اسناد کے ساتھ موجود ہے۔ صرف فرق اس کا ہے کہ امام بخاری ایک شخص نامعلوم اسحٰق سے روایت کر رہے ہیں اور امام مسلم کے دو دو شیخ سُر ملا کر اس کی روایت امام مسلم کے سامنے بیان کر رہے ہیں۔ عبید بن حمید اور حسن الحلوانی۔ اول الذکر ایرانی تھے۔ ماوراء النہر کے قریب ایک گاؤں "کش" کے

---

[1] جو حدیثیں والذی نفسی بیدہ والی قسم سے شروع ہوتی ہیں ان میں اکثریت جھوٹی ہی حدیثوں کی ہے اور باقی جو ہیں وہ بھی کم سے کم مشتبہ ضرور ہیں چنانچہ ان حدیثوں کے مضامین ہی آپ کو بتا دیں گے کہ یہ حدیث موضوع ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ کوئی صحیح حدیث قسم سے شروع ہی نہیں ہوئی ہے۔ ایسی صحیح حدیثیں بھی ہیں۔ مثلاً صحابہ بنی اسرائیل واحم سابقہ کے احوال قرآن میں پڑھتے تھے مگر وہ اس کا گمان بھی نہیں کر سکتے تھے کہ یہی حالت کبھی مسلمانوں کی بھی ہو جائے گی اسلئے ان کو یقین دلانے اور اس وقت سے ڈرانے کیلئے قسم کھا کر فرمایا گیا کہ تالفنہ لترکبن سنن الذین من قبلکم۔ خدا کی قسم تم لوگ بھی ضرور اپنے اگلوں کی روش پر آجاؤ گے۔" یہ قسم کس قدر برمحل ہے۔ اگر بغیر قسم اور بغیر حروف تاکید کے فرمایا جاتا تو وہ اثر ترہیب نہ پیدا ہو سکتا ہے جس سے بعد والے ہوشیار ہو سکتے۔ ۱۲ منہ غفرلہ

رہنے والے تھے جو خراسان و نیساپور کی دو ڑ میں رہا کرتے تھے۔ امام مسلم بھی نیشاپوری ہی تھے، غالباً اسی مناسبت سے ان کا نام یہاں ٹھونسا گیا ہے۔ دوسرے صاحب کہے جاتے ہیں مدنی مگر مکہ میں آ بسے تھے۔ لیکن امام احمد بن حنبل ان کو اچھا آدمی نہیں سمجھتے تھے، فرماتے تھے کہ ان کے متعلق مجھ کو ایسی باتیں معلوم ہیں جن کو میں مکروہ سمجھتا ہوں۔ بعض ائمہ رجال کی اور جرحیں بھی ان پر ہیں مگر میں اس وقت رجال کی بحث نہیں کر رہا ہوں۔ گذشتہ قسطوں میں رجال پر پوری بحث ہو چکی ہے۔ غرض یعقوب بن ابراہیم سے اسحٰق اور اسحٰق سے امام بخاری روایت کرتے ہیں اور انھیں یعقوب بن ابراہیم سے عبید بن حمید اور حسن الحلوانی روایت کرتے ہیں اور ان دونوں سے امام مسلم روایت کرتے ہیں اور یعقوب سے لیکر حضرت ابوہریرہؓ تک دونوں کے اسناد ایک ہی ہیں اور جس طرح صحیح بخاری میں ابن شہاب اور ابراہیم بن سعد کے درمیان صالح کا نام بغیر اظہار ولادت وسکونت ونسبت کے مبہم رکھدیا گیا ہے بالکل اسی طرح صحیح مسلم میں بھی مبہم ہی رکھا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ سلسلۂ اسناد جوڑ کر اس حدیث کو دونوں کتابوں میں داخل کرنے والا ایک ہی شخص تھا یا ایک ہی گروپ کے لوگ تھے۔

متن حدیث میں بھی مصلحۃً ذرا سا فرق رکھا گیا ہے وہ یہ کہ بخاری میں حَکَمًا عَدْلًا ہے اور مسلم میں حَکَمًا مقسطًا اور دونوں کے معنی ایک ہی ہیں اور مسلم میں یضع الحرب کی جگہ یضع الجزیہ۔ جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں کہ شروع میں بخاری میں جو حدیث داخل کی گئی اس میں یضع الحرب ہی رکھا گیا تھا۔ بعد کو اس کے مفہوم کی خرابی محسوس کی گئی تو دوسری کتابوں میں الحرب کو الجزیہ بنا دیا گیا۔ اور بخاری کے بھی کٹھینی والے نسخے میں موقع پا کر یہ تبدیلی کر دی گئی لیکن صحیح مسلم ہی میں یہی حدیث ابن شہاب زہری ہی سے لیث بن سعد اور ان سے محمد بن رمح اور ان سے امام مسلم اور انھیں لیث بن سعد سے قتیبہ بن سعید اور ان سے ترمذی روایت کرتے ہیں تو مسلم اور ترمذی دونوں میں یہ حدیث عدلاً کی جگہ مقسطاً ہی کا لفظ رکھتی ہے جس طرح مسلم کی اس حدیث میں ہے جو بالکل بخاری ہی کے اسناد سے مروی ہے۔ مگر ویفیض المال حتی لا یقبلہ احدٌ ہی تک یہ حدیث مسلم و ترمذی دونوں میں ہے۔ اس عبارت کے بعد وہ اضافہ جو یعقوب بن ابراہیم کی روایت میں بخاری و مسلم میں ہے۔ حتی تکون السجدۃ سے آیت سورۂ نسا تک مسلم و ترمذی کی لیث بن سعد والی روایت میں نہیں ہے لیث بن سعد ہی والی روایت نہیں بلکہ مسلم میں ایک طریق سفیان بن عیینہ والا بھی ہے۔ ابن شہاب زہری ہی سے جس کو ابن عیینہ سے عبدالاعلی بن حماد و ابوبکر بن شیبہ اور زہیر بن حرب تینوں روایت کرتے ہیں اور ان تینوں سے امام مسلم روایت کرتے ہیں۔ اس میں بھی وہ یعقوب بن ابراہیم والا اضافہ نہیں ہے حتی لا یقبلہ احد ہی تک ہے۔ البتہ عدلاً اور مقسطاً کے اختلاف کو اسی طریق میں اس طرح چکا دیا ہے کہ اماماً کا لفظ بڑھا کر مقسطاً کو اسی کے ساتھ جوڑ دیا اور اس کے بعد وہ بخاری والا حکماً عدلاً واو عطف بڑھا کر رکھ دیا کہ سب کی بات رہ جائے۔ عبدالاعلیٰ بن حماد، ابوبکر بن شیبہ، اور زہیر بن حرب نے باہمی مشورہ کے بعد یہ بہت مناسب صورت ان لفظی اختلافات کے فیصلہ کی نکالی۔

اور مسلم ہی میں ایک طریق اور بھی ہے جس میں ابن شہاب زہری کے ہموطن شاگرد رشید یونس بن یزید الایلی، ابن شہاب ہی سے روایت کرتے ہیں، یونس سے ابن وہب، ان سے حرملہ بن یحییٰ اور ان سے امام مسلم روایت کرتے ہیں۔ اس روایت میں بخاری والی روایت کی طرح حکماً عدلاً ہے۔ لیکن وہ یعقوب بن ابراہیم والا اضافہ اس میں بھی نہیں ہے۔ یعنی حتی لا یقبلہ احد ہی تک اس میں بھی ہے۔ غرض باوجود اس کے کہ صرف ابن شہاب زہری ہی سے اس حدیث کو لیث بن سعد، سفیان بن عیینہ اور یونس بن یزید بھی روایت کر رہے ہیں، مگر وہ صالح مبہم والا اضافہ جو یعقوب بن ابراہیم والی روایت میں ہے اس کو ان کے سوا کوئی بھی بیان نہیں کرتا۔ اور سورۂ نساء والی آیت کا کوئی ذکر کرتا ہے۔

اب ذرا اس اضافے پر بھی ایک نظر ڈالئے۔ حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیرا من الدنیا وما فیھا تو ایک بدرقہ کے طور پر بڑھایا گیا ہے، اس لئے اصل اضافہ جو ہے اس کو دیکھئے جس کی نسبت رسول اللہ صلعم کی طرف تو بخاری و مسلم کی روایت میں نہیں کی گئی ہے (مگر غیر صحاح کی روایتوں میں آیت سورۂ نساء والا اضافہ خاص رسول اللہ صلعم ہی کی طرف منسوب ہے) مگر حضرت ابوہریرہؓ ہی کا قول سہی" کہ انھوں نے یہ حدیث بیان کرکے سامعین سے کہا کہ اگر چاہو تو وان من اھل الکتاب الا لا لیومنن بہ قبل موتہ والی آیت شھیدا تک پڑھ جاؤ۔ یعنی اس آیت کا مطلب اس حدیث سے، یا اس حدیث کا مطلب اس سے واضح ہو جاتا ہے۔ یا دونوں کے مفہوم کو کوئی واضح مناسبت باہمی ہے تو ہم لوگوں کا بھی یہ فرض ہے کہ اس آیت اور اس حدیث کے مفہوم پر غور کریں، اور اس کے سمجھنے کی کوشش کریں کہ دونوں کے مفہوم میں کونسی مناسبت باہمی ہے۔ تو پہلے یہ دیکھئے کہ محدثین اس حدیث کی شرح میں کیا لکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک جھوٹی حدیث میں وہ صداقت والی روشنی کہاں سے آسکتی ہے کہ قرآنی آیات کے صحیح مفہوم کو اس کی روشنی میں متعین کیا جا سکے اور پھر قرآن مبین کی کسی آیت کا صحیح مفہوم ہرگز کسی اندھیرے میں نہیں جس کے لئے کوئی باہر کی روشنی لانے کی ضرورت پڑے کہ وہ صحیح مفہوم لوگوں کو نظر آنے لگے۔ البتہ جن کی بینائی ہی کمزور ہے وہ اپنی قوت بینائی کی مدد کے لئے کوئی عینک لگالیں یا مزید روشنی کی مدد لیں تو یہ اور بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کے ساتھ اس آیت کا جوڑ ابن شہاب زہری کے شاگرد کسی صالح مبہم صاحب نے (جن کی ولدیت، وسکونت ونسبت سب کو امام بخاری وامام مسلم یا ان کے شیوخ نے چھپایا) اسی لئے ملایا ہے کہ اس آیت کا مفہوم خبط ربط ہو جائے۔ چنانچہ اسی حدیث کی وجہ سے محدثین ومفسرین سب نے اس آیت کے مفہوم میں دھوکا کھایا اور لیومنن بہ کی ضمیر مجرور اور قبل موتہ کی ضمیر دونوں ہی کو حضرت عیسیٰؑ کی طرف پھیر کر اس کا یہ مطلب بتانے لگے کہ جب حضرت عیسیٰؑ دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو اس وقت ان کی موت سے پہلے سارے اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے۔ یعنی یہ آیت قرآن سے کوئی تعلق نہیں رکھتی، اس کو اپنے ماقبل وما بعد آیتوں سے کوئی تعلق نہیں، جو کچھ تعلق ہے وہ صرف اس حدیث سے ہے۔ کیونکہ قرآن میں تو حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ دنیا میں آنے کا کہیں ذکر نہیں ہے جو اس آیت کے مفہوم میں یہ اضافہ کیا جائے کہ "جب حضرت عیسیٰؑ دوبارہ دنیا میں آئیں گے، اس وقت وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ

آیت الا لیومنن بہ کا مفہوم

کوئی ایسا اہل کتاب نہ ہوگا جو حضرت عیسیٰؑ پر ان کی موت سے پہلے ایمان نہ لائے۔ یہ مفہوم

تعیین وقت والا تو اس حدیث سے نکالا جا رہا ہے تو اس آیت کو اس حدیث کا ایک حصہ ہونا چاہئے، قرآن کا کوئی ٹکڑا نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ قرآن میں تو وہ تعیین وقت والا مفہوم مذکور نہیں۔ غرض اس حدیث سے جو اس آیت کا جوڑ ملایا گیا ہے وہ درحقیقت اس عقیدے کے ماتحت کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے اور وہ اس وقت تک وہاں زندہ ہیں اور ابھی اور زندہ رہیں گے یہاں تک کہ قیامت سے کچھ پہلے وہ دوبارہ زمین پر اتریں اور چند سال زندہ رہ کر وفات پائیں تو ان کی یہ موت قیامت کے قریب ہوگی۔ اور جب تک ان کی موت نہیں ہوتی اس وقت تک ہر فرد اہل کتاب کا اس بات پر ضرور ایمان لے آئے گا کہ ان کو کسی نے قتل نہیں کیا، سولی نہیں دی بلکہ اللہ نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا۔ یعنی اس آیت کا جوڑ اس حدیث سے اس لئے نہیں ملایا گیا ہے کہ لوگ قرآن کے مطابق اپنا عقیدہ قائم کریں بلکہ اس لئے یہ جوڑ ملایا گیا ہے کہ لوگ اپنے عقیدے کے مطابق قرآن کی اس آیت کا مطلب نکالیں۔

لیومنن بہ میں جو ضمیر مجرور ہے اس کو عدم قتل و عدم تصلیب و رفع الی اللہ کی طرف پھیریئے یا حضرت عیسیٰؑ کی ذات کی طرف پھیریئے۔ بہرحال یہ ماننا پڑے گا کہ زمانہ رفع سے لیکر اس وقت تک جو انیس سو برس سے کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے جتنے اہل کتاب گذرے سب کے سب مومن ہی گذرے، جو یہودی تھا وہ ضرور عیسائی ہو چکا تھا اور سارے یہودی عیسائی ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہر اہل کتاب اپنی موت سے پہلے ایمان لے آتا ہے۔ کیونکہ قبل موتہ کی ضمیر تو حضرت عیسیٰؑ کی طرف اس حدیث سے جوڑ ملانے والوں نے بھی اور بعض مفسرین نے بھی پھیری ہے۔ تو جو لوگ قبل موتہ سے قبل موت عیسیٰ مراد لیتے ہیں ان کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ ہر اہل کتاب چونکہ اپنی موت سے کچھ پہلے ایمان لائے گا اس لئے مرنے کے وقت کا ایمان معتبر نہیں ہے۔ بقول اس حدیث کے گھڑنے والے کے اور ان لوگوں کے جو موتہ کی ضمیر حضرت عیسیٰؑ کی طرف پھیرتے ہیں اللہ تعالیٰ دو دو حروف تاکید کے ساتھ فرما رہا ہے کہ ہر اہل کتاب ایمان لے آئیگا حضرت عیسیٰؑ پر تو یہ ایمان ایسا ہی ہونا چاہئے جو معتبر ہو اور اس کیلئے نفع بخش ہو۔ ورنہ یہ ضرور کہا جاتا کہ لیکن اس کو اس کا یہ ایمان کچھ نفع نہیں پہنچائے گا، جس طرح آخر سورۂ مومن میں ہے:

فلما راوا باسنا قالوا امنا باللہ وحدہ وکفرنا بما کنا بہ مشرکین ۝ فلم یک ینفعہم ایمانہم لما راوا باسنا

یعنی جب کفار ہمارا عذاب دیکھ لیں گے تو کہیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اکیلے خدا پر اور بیزار ہوئے ہم ان چیزوں سے جن کو اللہ کا شریک بناتے تھے تو پھر نہیں نفع پہنچائے گا ان کو ان کا ایمان جب کہ وہ ہمارا عذاب دیکھ لیں گے۔

اسی طرح یہاں بھی یہ کہنا ضروری تھا کہ ہر اہل کتاب عیسیٰؑ پر ایمان تو لے آئیگا مگر اس کا ایمان اس کو کچھ نفع بخش نہ ہوگا۔ اسی سے یہ سمجھ لیا جاتا کہ وہ ایمان مرنے کے وقت کا ہوگا اسی لئے نفع بخش نہ ہوگا۔ مگر یہاں جب ایسا نہیں فرمایا گیا تو یقیناً ہر اہل کتاب کو مومن ہو جانا چاہئے اور اس کے ایمان کو اس کے لئے نفع بخش ہونا چاہئے۔

اور بعض مفسرین اس حدیث کے منشاء کے خلاف مطلب نکالنے پر مجبور ہوئے تو انہوں نے موتہ کی ضمیر اہل کتاب ہی کی طرف پھیری اور پھیرنی بھی چاہئے۔ اب ضرور یہ مطلب نکلا کہ ہر اہل کتاب ضرور حضرت عیسیٰؑ پر یا ان کے عدم قتل و عدم تصلیب

اور رفع پا اپنی موت سے پہلے ضرور ضرور ایمان لے آئے گا۔ چاہے وہ ایمان اس کو نفع بخش ہو یا نہ ہو۔ اگر مرنے سے کافی پہلے ایمان ایمان لایا ہے تو اس کا ایمان اس کو نفع پہنچائے گا۔ اور اگر ٹھیک مرنے کے وقت ایمان لایا تو اس کا ایمان اس کو نفع نہیں پہنچائیگا۔ یہ ایک معقول بات ہوئی۔

اب اس کے بعد فرمایا جاتا ہے کہ ویوم القیٰمۃ یکون علیہم شہیدا "اور قیامت کے دن وہ ان لوگوں کے خلاف گواہ ہوگا"۔ اب پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون ؟ مفسرین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ گواہ ہوں گے یکون کی ضمیر انھیں کی طرف پھر رہی ہے اور قرآن میں یہ مفہوم ہے کہ ہر رسول اپنی امت کے مقابلے میں خداوندی گواہ بنا کر لائے جائیں گے۔ تو اگر حضرت عیسیٰؑ قیامت کے دن گواہ ہو کر آئیں گے تو یہ آیت کیا بتا رہی ہے کہ وہ کس بات کے گواہ ہو کر آئیں گے ؟ ہر اہل کتاب کے ایمان لے آنے کے گواہ ہو کر آئیں گے تو وہ تو آسمان پر ہیں اور وہ عالم الغیب بھی نہیں، ان کو کیا خبر کہ کون فرد اہل کتاب میں کا کس وقت مجھ پر ایمان لایا، اپنے مرنے کے وقت، یا مرنے سے کچھ پہلے۔ قرآن میں صاف موجود ہے کہ ان سے پوچھا جائے گا تو وہ فرمائیں گے کہ کنت علیہم شہیدا ما دمت فیہم "میں ان کا نگراں رہا، یا گواہ رہا جب تک میں ان لوگوں میں رہا"۔ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم "جب تو نے مجھ کو وفات دیدی تو پھر ان کا نگہبان تو ہی رہا"۔ دو ہی زمانوں کا وہ ذکر فرمائیں گے ما دمت فیہم (جب تک میں ان میں رہا) اس کے بعد لما توفیتنی جب تو نے مجھکو وفات دیدی۔ حالانکہ بقول محدثین و مفسرین وعلمائے زمانہ ان کو تین زمانوں کا ذکر کرنا تھا۔ انھوں نے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے سے پہلے کے زمانے کا ذکر کیا، یا نزول از آسمان کے بعد جو چند سال پھر انسانوں میں رہیں گے اس کا ذکر کیا اور یہ دونوں زمانے ما دمت فیہم کے ہوئے یعنی "جب تک میں ان میں رہا" کے دونوں زمانے ہیں۔ پھر جب وفات ہوگی تو اس کے بعد تو جلد ہی قیامت آجائے گی۔ جو اصل لمبا چوڑا زمانہ آسمان پر رہنے کا ہے، اس کا وہ مطلقاً ذکر ہی نہ کریں گے۔ جب تک وہ آسمان پر رہے اتنے زمانے کا وہ اس لئے کوئی ذکر نہ کریں گے کہ اس زمانے کے متعلق وہ کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتے ہیں، نہ ان پر کوئی ذمہ داری عائد ہوسکتی ہے۔ اس لئے یہ لاکھوں اہل کتاب جو ان کے آسمان پر رہنے کے زمانے میں ایمان لائے اور لائیں گے ان پر حضرت عیسیٰؑ کس طرح گواہ ہوسکتے ہیں ؟

سب سے زیادہ غور طلب یہ ہے کہ لیومنن قطعی طور سے صیغۂ مستقبل ہے، زمانۂ ماضی اس میں داخل نہیں ہوسکتا، اور زمانۂ حال کا بھی اس میں کوئی دخل نہیں۔ غایت سے غایت مستقبل قریب کا وہ حصہ جو زمانۂ حال سے متصل ہے اس کو اس میں داخل سمجھا جاسکتا ہے۔ تو یہ آیت یہ نہیں بتاتی کہ حضرت عیسیٰؑ کی توفی ورفع کے بعد سے مسلسل بقول راویان احادیث ان کے نزول تک بلکہ نزول کے بعد ان کی موت کے قبل تک سارے اہل کتاب ایمان لے آئیں گے۔ کیونکہ زمانۂ ماضی وحال کو اس میں داخل نہیں کیا گیا ہے۔ اس لئے ہر اہل کتاب کے ایمان لانے کا زمانہ اس آیت کے نزول کے بعد ہی سے شروع ہوسکتا ہے۔ بلکہ اس آیت کے نزول کے وقت جو اہل کتاب زندہ تھے بظاہر وہی یہاں مراد ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں الی یوم القیٰمۃ

کا لفظ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ یہ سمجھا جائے کہ قیامت تک جتنے اہل کتاب بھی ہوں گے ان کے ہر فرد کے متعلق یہ فرمایا جا رہا ہے کہ وہ سب اپنے مرنے سے پہلے ایمان لے آئیں گے۔ جس طرح کہا جائے کہ "جس مسلمان سے پوچھو گے وہ یہی کہے گا کہ ہندوستان میں مسلمانوں پر سخت ظلم ہو رہا ہے" تو اس کے یہ معنی نہیں کہ قیامت تک جس مسلمان سے پوچھو گے وہ یہی جواب دیگا۔ مطلب یہ ہے کہ اس زمانے کا ہر مسلمان یہی کہے گا۔ اور اگر اہل کتاب کے عموم لفظ کی وجہ سے قیامت تک کے اہل کتاب کو مراد لے لیجئے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مگر اہل کتاب سے مشرکین اہل کتاب و کفار اہل کتاب مراد لینا یہاں صحیح نہیں۔ شروع رکوع میں یسئلک اھل الکتاب ان تنزل علیھم کتبا من السماء میں بے شک عام اہل کتاب باعتبار قومیت کے مراد ہیں۔ مگر یہاں بھی نصاریٰ مراد نہیں ہیں صرف یہود مراد ہیں۔ اس لئے پورا عموم لفظ یہاں بھی معتبر نہیں۔ اس کے بعد یہودیوں کی میثاق شکنی و اتخاذ عجل و تعدی فی السبت اور پھر رفع طور و حکم دخول فی الباب سُجّدًا، پھر ان کے قتل انبیاء بغیر حق اور ان کا قلوبنا غلف کہنا، اور حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ کفر کرتے ہوئے حضرت مریمؑ پر بہتان عظیم باندھنا، اور ان کا یہ کہنا کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا۔ ان سب باتوں کا ذکر کر کے ان کے دعوے قتل مسیح کی تردید کی گئی کہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولٰکن شبہ لھم۔ انہوں نے عیسیٰؑ کو نہ قتل کیا اور نہ انھیں سولی دی، لیکن ان کے سامنے اس کا شبیہ مہیا کر دیا گیا۔ جو لوگ اس میں اختلاف رکھتے ہیں وہ ایک شک میں پڑے ہوئے ہیں، ان کو اس کے متعلق کوئی علم یقین اتباع ظن کے سوا حاصل نہیں یعنی اٹکل پچو رائے قائم کرنے کے سوا ان کے پاس قطعی و یقینی علم کا کوئی ذریعہ نہیں، اور بات بھی یہی ہے کہ یہودیوں نے عیسیٰؑ کو بالیقین قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غلبہ اور حکمت والا ہے۔" یہاں تک فرما کر ارشاد ہوا کہ

وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ ویوم القیمۃ یکون علیھم شھیدا ہ

یعنی اور (جو واقعی اہل کتاب ہیں) ان میں کا ہر فرد اپنی موت سے پہلے اس پر (یعنی وما قتلوہ پر) ایمان لے آئیگا اور قیامت کے دن ان (جھوٹے) اہل کتاب کے خلاف سرکاری گواہ ہوگا۔

سورۂ بقرہ کے رکوع ۱۴ میں فرمایا گیا ہے۔

الذین اٰتینٰھم الکتٰب یتلونہ حق تلاوتہ اولٰئک یومنون بہ

ہم نے جن لوگوں کو کتاب دی ہے اور وہ تلاوت کرنے کی طرح اس کی تلاوت کیا کرتے ہیں وہی لوگ اس علم پر جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے ایمان لائیں گے۔

یا یہ کہا جائے کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے اور وہ اس کو اس طرح تلاوت کرتے ہیں جو تلاوت کا حق ہے، وہی لوگ اس دی ہوئی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ پہلے مفہوم کے اعتبار سے "یومنون بہ" میں جو "بہ" کی ضمیر ہے وہ الذی جاءک من العلم کی طرف پھرتی ہے جو اس سے ماقبل کی آیت میں ہے۔ اور اس مفہوم کی ایک آیت سورۂ ہود کے دوسرے رکوع میں بھی ہے افمن کان علی بینۃ الآیہ۔ مگر دو آیتوں سے ایک ہی مفہوم مراد لینے سے تاکید کے سوا کوئی اور خاص فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور

ہر آیت سے ایک نیا مفہوم جو صراحتہً نکل رہا ہو مراد لینے سے قرآن کی افادیت کی وسعت کا پتہ ملتا ہے اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہاں بھی مفہوم زیادہ قرین عقل اور زیادہ واضح ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے کتاب دی ہے اور وہ اپنے کو اہل کتاب کہتے ہیں اگر وہ اپنی کتاب کو اس طرح تلاوت کرتے ہیں جو تلاوت کا حق ہے یعنی سمجھ بوجھ کر تلاوت کرتے ہیں اور اس کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں، اس کی آیتوں میں تحریف نہیں کرتے، اپنی خواہش کے مطابق مطلب نہیں نکالتے بلکہ اپنی خواہش کو اپنی کتاب کے احکام کے تابع رکھتے ہیں، وہی لوگ دراصل اس اللہ کی دی ہوئی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، اس لئے درحقیقت اہل کتاب وہی لوگ ہیں۔ صرف اپنے کو یہودی کہدینے سے اور حضرت موسیٰ اور تورات پر ایمان کا محض زبانی دعویٰ رکھنے سے کوئی شخص صحیح معنوں میں اہل کتاب اور حضرت موسیٰؑ اور تورات پر ایمان رکھنے والا نہیں ہو جا سکتا۔ اسی طرح فقط اپنے کو نصاریٰ کہنے اور حضرت عیسیٰؑ اور انجیل پر ایمان کا دعویٰ ظاہر کرنے سے کوئی واقعی اہل کتاب اور حضرت عیسیٰؑ اور انجیل پر ایمان رکھنے والا نہیں ہو جا سکتا۔ غرض اہل کتاب ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ جس کتاب پر ایمان رکھنے کا مدعی ہو اس کتاب کی تلاوت بھی اس طرح کیا کرتا ہو جو تلاوت کا حق ہے اور جب تک اس کتاب کی ہدایتوں پر ایمان نہ رکھے اور اس کے مطابق عمل نہ کرے، اپنی خواہشوں کو اس کتاب کی تعلیمات کے تابع نہ رکھے، ضد اور ہٹ دھرمی سے بچتا نہ رہے اس وقت تک وہ تلاوت کا حق کبھی ادا نہیں کر سکتا۔ اور جب ایک یہودی تورات کی تلاوت اس طرح کرے گا کہ تلاوت کا حق ادا ہو تو وہ لامحالہ حضرت عیسیٰؑ اور انجیل پر بھی ضرور ایمان لے آئے گا اور پھر اس کو اس پر بھی ایمان لانا پڑے گا کہ ما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم بل رفعہ اللہ الیہ۔ اور جب کوئی عیسائی انجیل کی تلاوت اس طرح کریگا کہ اس کی تلاوت کا حق ادا ہو تو وہ مجبور ہوگا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء وسلم پر اور قرآن پر ایمان لے آئے اور حضرتؑ کے سولی دیئے جانے کے غلط عقیدے سے توبہ کرتے ہوئے وہ حضرت کے اللہ یا اللہ کے بیٹے ہونے سے بھی توبہ کرے اور ان کو عبد اللہ ورسول اللہ سمجھنے پر مجبور ہو۔ یہاں جو فرمایا گیا ہے کہ وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ جو واقعی اہل کتاب ہیں یعنی اپنی کتاب کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں اور اپنی کتاب پر واقعی ایمان رکھتے ہیں ان کا ایمان ان کو مجبور کرے گا کہ وہ مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کے قتل وتصلیب کے عقیدے سے توبہ کرلیں اور ان کے قتل نہ کئے جانے اور سولی نہ دیئے جانے پر ایمان لے آئیں اور اس پر ایمان رکھنے لگیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اگلے انبیاء علیہم السلام کو اپنی طرف اٹھا لیا، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دی اور انھوں نے وفات پائی رفعہ اللہ الیہ موت کے معنی میں ایسا مشہور ومعروف محاورہ ہے کہ ہر زبان میں اسی طرح مستعمل ہے، اردو میں بھی بولتے ہیں کہ اللہ اس کو اٹھالے۔ یا اللہ نے فلاں کو اٹھا لیا۔ یعنی وہ مر گیا۔ فارسی میں بھی اسی طرح بولتے ہیں۔ گلستاں میں ہے کہ کسے نوشیرواں عادل را گفت کہ خدائے تعالیٰ فلاں دشمن ترا برداشت، گفت ہیچ دانی کہ مرا بگذاشت؟

قبل موتہ سے یہ مراد لینا کہ عین مرتے وقت، عجیب وغریب بات ہے، اور پھر یہ مراد لیکر اس کی بحث کہ مرنے کے

وقت کا ایمان مفید ہوگا یا نہیں؟ عجب بالائے عجب ہے۔ آیت کا مطلب اسی قدر ہے کہ جو واقعی اہل کتاب ہیں یعنی مومن بالکتاب بھی ہیں ان کو مرنے سے پہلے کسی نہ کسی تلاوت کتاب کے وقت اس پر ایمان لانے کی توفیق ہو جائے گی کہ حضرت عیسیٰؑ کو قتل نہیں کیا گیا، سولی نہیں دی گئی، قتل کرنے والے شبہے میں پڑ گئے، ان کے لئے شبے کا سامان مہیا کر دیا گیا۔ الخ

ویوم القیمۃ یکون علیھم شھیدا۔ اور ان سچے اہل کتاب میں کا ہر فرد جو اپنے مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کے قتل نہ کئے جانے اور سولی نہ دیئے جانے پر ایمان لے آئے گا، وہ قیامت کے دن ان جھوٹے اہل کتاب، قتل و صلیب کے دعویداروں کے خلاف شہادت دے گا کہ یہ لوگ جھوٹے تھے، ہم پر تو ہماری موت سے پہلے تلاوت کتاب اللہ کی بدولت یہ بات ظاہر ہو چکی تھی اور ہم مرنے سے پہلے اس پر ایمان لا چکے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ کو نہ قتل کیا گیا نہ انھیں سولی دی گئی بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا۔

حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے اس لئے جس طرح ہر نبی اپنی امت جن کی طرف وہ مبعوث ہوئے تھے ان کے متعلق گواہ ہوں گے۔ حضرت عیسیٰؑ بھی اسی طرح بنی اسرائیل کے متعلق گواہ ہوں گے مگر وہ تو خود فرمائیں گے کہ کنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم۔ جب تک ہم ان لوگوں میں رہے، اس وقت تک کے ہم گواہ ہیں۔ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم جب تو نے ہمیں وفات دیدی تو پھر تو ہی ان کا نگہبان رہا۔ اس آیت کے نزول کے بعد عہد نبوی کے اہل کتاب جو ایمان لائے ان کے موافق اور جنھوں نے کفر کیا ان کے خلاف گواہی دینے کا موقع حضرت عیسیٰؑ کو کہاں حاصل ہو سکتا ہے۔ بلکہ ہر وہ اہل کتاب جو ان کے روئے زمین پر زندہ موجود نہ رہنے کے زمانے میں ہو وہ نہ اس کے موافق گواہی دے سکتے ہیں نہ اس کے مخالف۔

اور یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ ایمان لائیں وہ جو سچے اہل کتاب ہیں اور گواہ ہوں حضرت عیسیٰؑ۔ پھر ان سچے اہل کتاب کو ایمان لانے سے کیا فائدہ حاصل ہوا؟ سیاق عبارت صاف بتا رہا ہے کہ لیومنن کا جو فاعل ہے وہی یکون کا اسم ہوگا قاعدۂ عطف اسی کا مقتضی ہے۔

وان من اھل الکتاب میں واقعی اہل کتاب جو مومن بالکتاب ہیں جو اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں وہی مراد ہیں جیسے کوئی کہے کہ ہر مسلمان نماز روزے کا پابند ہے۔ اس کے یہی معنی ہوں گے کہ جو واقعی مسلمان ہیں اور احکام قرآنی پر سچا ایمان رکھتے ہیں وہ صوم و صلوٰۃ کے پابند ہیں۔ اس کے یہ معنی کبھی نہیں ہو سکتے کہ ہر وہ شخص جو اپنے کو مسلمان کہتا ہے وہ صوم و صلوٰۃ کا پابند ہے۔

یہ آیت چونکہ ایک معرکۃ الآرا آیت ہے اس لئے اس کی بحث کو تشنہ چھوڑ دینا مناسب نہ تھا۔ مجبوراً اتنی طوالت اختیار کرنا پڑی ماحصل یہ ہے کہ نہ اس حدیث کو اس آیت سے کوئی سروکار ہے نہ اس آیت کو اس حدیث سے۔ عجمی راویوں نے اس آیت کے مفہوم کو غتربود کرنے کے لئے خواہ مخواہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگایا یعنی اس آیت کریمہ کے ساتھ اپنی من گھڑت جھوٹی حدیث کا جوڑ ملا دیا۔

حدیث کی تنقید یہی حدیث کافی محو و اثبات کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ ہی سے عطا بن مینا صاحب اور ان سے سعید المقبری روایت کرتے ہیں، اور سعید المقبری سے وہی لیث، اور لیث سے وہی قتیبہ روایت کرتے ہیں جنھوں نے ابن شہاب زہری سے ترمذی والی حدیث روایت کی تھی۔ یہ حدیث بھی صحیح مسلم جلد ۱ ص۸۷ میں ہے کہ عطا بن مینا نے کہا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ

واللہ لینزلن ابن مریم حکما عدلا فلیکسرن الصلیب ولیقتلن الخنزیر ولیضعن الجزیۃ ولیترکن القلاص فلا یسعی علیہا ولتذھبن الشحناء والتباغض والتحاسد ولیدعون الی المال فلا یقبلہ احد۔

اس روایت کی ابتدا بھی قسم ہی سے ہے مگر وہ نفسی بیدہ نہیں ہے صرف واللہ سے کام چلا لیا ہے مگر جگہ جگہ ہر فعل پر دو دو حروف تاکید لگا لگا کر حدیث کو پوری طرح زوردار بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آنحضرت صلعم نے جو حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ زمین پر آنے کی خبر دی تو سننے والوں میں سے کسی کو یقین نہ آیا تو آپ نے والذی نفسی بیدہ کہہ کر قسم کھائی اور لینزلن دو دو حروف تاکید لگا کر نزول عیسیٰؑ کی خبر دی اور فرمایا کہ وہ ضرور ضرور اتریں گے اور صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ کو موقوف کر دیں گے۔ مگر اس قسم و تاکید پر بھی سننے والے مشتبہ ہی رہے تو آپ نے پھر قسم کھائی اور ہر فعل پر دو دو حروف تاکید لگائے اور کہا کہ تم صرف قتل خنزیر و کسر صلیب و وضع جزیہ و افاضۂ مال کا یقین نہیں کرتے تو او رسنو وہ اتنا ہی نہیں کریں گے بلکہ وہ ایسا امن و امان پیدا کر دیں گے کہ لوگ اپنی جوان اونٹنیوں کو بھی آزاد چھوڑ دیں گے، ان کی مطلق حفاظت نہ کریں گے تو پھر اس پر کوئی سعی نہیں کی جائے گی۔ یا یہ کہ لوگ اپنی جوان اونٹنیوں کو بھی چھوڑ دیں گے اور ان کی کوئی پروا نہیں کریں گے یہ مفہوم واذا العشار عطلت سے سرقہ کیا گیا ہو بعض مفسرین نے اس کے یہ معنی بھی لئے ہیں کہ حضرت جانوروں کی زکوٰۃ وصول کرنا موقوف کر دیں گے اور زکوٰۃ تحصیلنے والے جانوروں کی زکوٰۃ کے تحصیل کی سعی نہیں کریں گے اور مرزا صاحب کو جو حجاز ریلوے کی خبر ملی کہ اس کا انتظام ہو رہا ہے، تو انھوں نے فرمایا کہ دیکھو میرے عیسیٰؑ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ میرے زمانے میں حجاز ریلوے بن رہی ہے اور اب لوگ عرب میں اونٹ اور اونٹنیوں پر سواری نہیں کریں گے، اونٹنیوں پر نہیں دوڑیں گے۔ حالانکہ حجاز ریلوے ابھی تک نہ بن سکی اور ان کے وقت میں کہاں تک۔ کہ اسوقت تک اونٹ اور اونٹنیوں کی سواری لوگوں نے نہیں چھوڑی، اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ کو مرزا صاحب نے موقوف ہونے کا فتویٰ دیکر وضع حرب کا بزعم خود فریضہ ادا کیا مگر دنیا میں حرب کا سلسلہ پہلے سے زیادہ عام ہے فی سبیل اللہ نہ سہی فی سبیل الوطن اور فی سبیل القوم اور فی سبیل الحریۃ ہی سہی۔ ان کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ صرف حرب فی سبیل اللہ کو موقوف کر سکتے ہیں مگر فی سبیل غیر اللہ کو نہیں موقوف کریں گے۔ صرف قتال فی سبیل اللہ کو موقوف کرنا اور فی سبیل غیر اللہ کو باقی رکھنا مسیح بن مریم رسول اللہ کا کام تو نہیں ہو سکتا۔ مگر ہاں مسیح الدجال کا کام ضرور ہو سکتا ہے۔ مگر افسوس کہ مرزا صاحب نے دس بیس سوروں کو قتل نہیں کیا اور نہ دس بیس صلیب کو توڑ کر

ان حدیثوں کے مصداق بننے کی کوشش کی۔ معلوم نہیں یہ کمی کیوں لگا رکھی؟

یہ حدیث عطا بن میناصاحب سے تھی جیسا کہ میں نے اوپر لکھا۔ اور عطا بن مینا کا پورا حال دوسری قسط میں لکھ چکا ہوں، ایک نظر اس کو دیکھ لیجئے۔ کہ یہ ابن ابی رباب کے غلام آزاد کردہ تھے، مدنی بھی تھے اور بصری بھی تھے اور پھر مکی بھی تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک اسم بلا مسمی ہیں ان کی کوئی شخصیت ہی نہ تھی اور بالفرض کوئی گمنام شخص ہوں بھی تو حضرت ابوہریرہؓ سے ان کے حدیث سننے کا کوئی قرینہ ہی نہیں۔

(باقی آئندہ)

دیکھئے، اپنا خریداری نمبر تلاش کیجئے

دسمبر ۱۹۵۳ء کی اس اشاعت کے ساتھ آپ حضرات کا چندہ (جن کے نمبر خریداری درج ذیل ہیں) ختم ہوگیا ہے۔ لہٰذا آئندہ ماہ جنوری ۱۹۵۴ء کا پرچہ آپ کی خدمت میں وی پی بھیجا جائے گا۔ اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو ۲۰ دسمبر ۱۹۵۳ء سے پہلے پہلے آپ اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمادیں کہ اس میں ادارہ کو سہولت اور آپ کو کفایت ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے خدانخواستہ آپ رسالہ کی خریداری آئندہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں تو ۲۰ دسمبر سے پہلے پہلے ادارہ کو اپنے اس فیصلہ سے مطلع فرمادیں ورنہ ادارہ کی طرف سے مرسلہ وی پی کو وصول فرمانا آپ کا اخلاقی فریضہ ہوگا۔

فہرست خریداران جن کا چندہ ختم ہوگیا ہے

۳۵۳-۳۵۸-۳۶۷-۳۷۲-۳۸۴-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۵-۴۳۰-۴۳۴-۴۳۶-۴۴۵-۴۴۸-۴۵۰-
۴۵۹-۴۷۸-۴۹۴-۴۹۹-۵۱۵-۵۲۵-۵۲۹-۵۳۱-۵۵۰-۵۵۵-۵۶۰-۵۶۵-۵۶۶-۵۹۲-۵۹۷-۶۰۰-۶۰۳-۶۰۷-۶۰۸-۶۱۱-۶۱۲-
۶۱۴-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۵-۶۴۳-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۴-۶۶۵-۶۶۸-۶۷۰-۶۷۱-۶۸۲-۷۰۲-۷۰۲-۷۱۲-۷۱۹-
۷۲۱-۷۲۴-۷۷۹-۷۸۲-۷۸۶-۷۹۷-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۸-۸۲۰-۸۵۷-۸۵۸-۸۶۰-۸۶۶-۹۰۳-۹۲۰-۹۳۶-۹۳۷-۹۵۳-۱۰۲۰-۱۰۲۸-
۱۰۳۷-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۶۸-۱۱۶۰-۱۱۶۲-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۵-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-
۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۸-۱۲۳۰-۱۲۳۲-۱۲۳۷-۱۲۴۳-۱۲۴۵-۱۲۴۶-
۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۳-۱۲۸۳-۱۲۸۴-
۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۷-۱۲۹۹-۱۳۰۱-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۱۰-۱۳۱۲-۱۳۱۴-۱۳۲۰-۱۳۲۱-
۱۳۲۵-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۵-۱۳۴۴-۱۳۵۳-۱۳۶۲-۱۳۷۵-۱۳۸۰-۱۴۳۰-۱۴۵۰-۱۴۵۷-۱۴۹۰-
۱۵۲۴-۱۵۳۹-

حلقۂ معاونین طلوعِ اسلام

طلوع اسلام کی اشاعت بابت جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر اور نومبر ۱۹۵۳ء میں ان ایک سو اڑتالیس (۱۴۸) حضرات کے نام شائع ہو چکے ہیں جنھوں نے ہماری دعوت پر لبیک کہا اور معاونین کے حلقہ میں شامل ہو گئے۔ اسکے بعد جو دیگر احباب حلقۂ معاونین میں (۳۱ نومبر تک) شامل ہوئے ہیں ان کے اسمائے گرامی شکریہ کے ساتھ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ معاونین کی کل تعداد اسوقت تک ایک سو ساٹھ (۱۶۰) ہوئی ہے جو حضرات ابھی تک اس حلقہ میں شامل نہیں ہوئے وہ خود غور فرمائیں کہ قرآنی فکر اور نظام کی اشاعت کی اتنی بڑی اسکیم اس قلیل سی رقم کے ساتھ کس حد تک آگے بڑھ سکے گی۔ اسکیم یہ ہے کہ آپ ایک سو روپے کی رقم (یکمشت یا چار مساوی اقساط میں) ارسال فرمادیں۔ آپ کو رسالہ طلوع اسلام اور ادارہ کی طرف سے شائع ہونے والی تمام کتابیں اسوقت تک بلا قیمت پیش کی جاتی رہیں گی جب تک آپ کی سو روپے کی رقم پوری نہ ہو جائے اگر خدانخواستہ یہ سلسلہ بند کر دینا پڑا تو آپ کی بقایا رقم واپس کر دی جائے گی۔ ہمیں کم از کم ایک ہزار معاونین کی ضرورت ہے۔ توقف نہ کیجئے آپ کو کسی قسم کا بھی خسارہ نہیں رہے گا اور آپ کی مدد سے قرآنی فکر اور نظام کی اشاعت کا انتظام ہو جائے گا۔

فہرست معاونین خصوصی ادارۂ طلوع اسلام

ڈھاکہ (۱۴۹) کپتان منظور احمد صاحب۔ سی۔ ایم۔ ایچ۔ ڈھاکہ

〃 (۱۵۰) سید محی الدین صاحب۔ پوسٹ بکس ۱۰۱۔ ڈھاکہ

لائلپور (۱۵۱) طفیل محمد خانصاحب جمعدار۔ ریلوے اسٹیشن۔ لائلپور

لاہور (۱۵۲) راجہ سید اکبر خانصاحب ایڈووکیٹ۔ لاہور

راولپنڈی (۱۵۳) ترجمان بزم طلوع اسلام۔ محلہ ڈھوک رتہ۔ راولپنڈی

ڈیرہ غازیخاں (۱۵۴) محمد شوکت صدیقی صاحب۔ شباز لمیٹڈ۔ ڈیرہ غازیخاں

سیالکوٹ (۱۵۵) ترجمان بزم طلوع اسلام۔ رائیوالہ کھلچیاں۔ ڈاکخانہ رعیہ نارووال۔ سیالکوٹ

مردان (۱۵۶) حسن الوہاب صدیقی صاحب۔ تخت بھائی۔ مردان

〃 (۱۵۷) حاجی سید محمود شاہ صاحب۔ 〃 〃

کراچی (۱۵۸) شیخ ابوبکر صاحب الکٹریکل انجینیر گورنمنٹ سندھ۔ کراچی

سانگلاہل (۱۵۹) نصیر الامان خانصاحب۔ گنیش کاٹن فیکٹری۔ سانگلاہل۔

لاہور (۱۶۰) جناب میاں بشیر احمد صاحب "المنظر" ۳۲ لارنس روڈ۔ لاہور

نوٹ: گذشتہ پرچہ میں غلطی سے جناب نور دین صاحب سکریٹری مسلم لیگ ضلع مردان کا نام معاونین کی فہرست میں شائع ہو گیا ہے جس پر ادارہ کو افسوس ہے۔ موصوف کا طلوع اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی وہ معاونین میں شامل ہیں۔ ناظم

یہ انکار کیوں؟

(میرزا بشیر الدین محمود صاحب توجہ فرمائیں)

حضرات انبیاء کرامؑ انسانی سیرت کے جس مقام بلند پر ہوتے ہیں اس کا تو ذکر ہی کیا ہے، پختہ کیرکٹر رکھنے والے عام انسانوں کی بھی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ بڑے سے بڑا لالچ اور سخت سے سخت خوف بھی انہیں حق گوئی سے روک نہیں سکتا لیکن بعض صاحب ہمت ایسے بھی ہوتے ہیں کہ کوئی سچ مچ کا خطرہ نہیں بلکہ محض ذہنی اندیشہ بھی لاحق ہو جائے تو اپنے مذہب کے بنیادی عقائد تک سے مکر جاتے ہیں۔ اس قسم کی "ہمت" کی ایک بین مثال آجکل میرزائی حضرات کی طرف سے سامنے آرہی ہے اور وہ بھی عام میرزائیوں کی طرف سے نہیں بلکہ خود ان کے "نبی" کے صاحبزادے "حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٗ" کی ذات گرامی کی طرف سے! بات یوں ہوئی کہ ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے حادثات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت میں ایک تحریری بیان پیش کیا جس میں انہوں نے بتایا کہ میرزائیوں کے عقائد کیا ہیں اور وہ عقائد کس حد تک موجودہ خلفشار کا موجب ہیں[1]۔ اس بیان پر میاں بشیر الدین محمود، صدر انجمن احمدیہ ربوہ، کی طرف سے ایک طویل تبصرہ اخبار ملت (لاہور) میں نو اقساط میں شائع ہوا ہے۔ اس تبصرہ میں میرزا محمود صاحب نے اپنی مدافعت (DEFENCE) کی صورت یہ اختیار کی ہے کہ وہ ان عقائد ہی سے مکر گئے ہیں جنہیں قابل اعتراض ٹھہرایا گیا تھا اور اس طرح (بزعم خویش) دنیا پر واضح کر دیا کہ ہماری پوزیشن بالکل صاف ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے اس باب میں کتنی بڑی جسارت سے کام لیا ہے۔ آیئے ہم دیکھیں کہ میاں صاحب موصوف نے کیا بیان دیا ہے اور ان کے عقائد کیا ہیں۔

مسلمانوں اور میرزائیوں میں سب سے پہلا اور بنیادی مابہ النزاع سوال میرزا غلام احمد صاحب کے دعوٰے نبوت کا ہے۔ اس باب میں میاں محمود صاحب، مودودی صاحب کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> مولانا مودودی صاحب نے اس پیرائے میں لکھا ہے کہ حضرت بانی جماعت احمدیہ نے ۱۹۰۲ء میں جو نبوت کا صریح اور قطعی دعوٰی کیا، اس سے ان کے ماننے والوں اور عام مسلمانوں میں ایک مستقل نزاع قائم ہو گئی ہے۔
>
> یہ بات سراسر غلط ہے۔ کیونکہ واقعات یہ ہیں:
>
> (الف) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
>
> (ب) حضرت بانی جماعت احمدیہ نے جس قسم کی نبوت کا دعوٰی کیا وہ مستقل قسم کی نبوت کا دعوٰی نہ تھا بلکہ آپ نے آخر تک اپنی نبوت کو امتی اور ظلی نبوت قرار دیا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "اب شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے مگر وہی جو پہلے امتی ہو۔" (ملت، مورخہ ۲۱ نومبر ۵۳ء)

---

[1] اس وقت مودودی صاحب کے بیان پر تنقید یا تبصرہ مقصود نہیں۔

میاں محمود صاحب نے اپنے بیان میں یہ فرمایا ہے کہ (۱) میرزا صاحب نے مستقل نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ (۲) وہ صاحب شریعت نبی نہیں تھے لہٰذا اس قسم کی نبوت کے دعوے سے ان کے ماننے والوں اور مسلمانوں میں نزاع کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔

اب دیکھئے کہ اس دعوے کی حقیقت کیا ہے۔

جہاں تک مستقل نبوت کا تعلق ہے اخبار الفضل۔ قادیان۔ بابت ۱۳ ۹/۱۹۱۴ میں لکھا گیا تھا کہ

حضرت مسیح موعود نے اپنے آپ کو کھلے طور پر نبی اللہ اور رسول اللہ پیش کیا ہے اور اپنے آپ کو زمرۂ انبیاء و مرسلین میں شامل فرمایا ہے ... پس آیات قرآنیہ کے لفظ رسول کا اپنے آپ کو مصداق ٹھہرانا صاف اور صریح اس امر کی بین دلیل ہے کہ حضرت مسیح موعود من حیث النبوت ان ہی معنوں میں نبی اللہ اور رسول اللہ تھے جن معنوں میں ان آیات میں دیگر انبیاء سابقین مراد لئے جاتے ہیں۔

اس سے صاف اور صریح طور پر ظاہر ہے کہ میرزا صاحب کا اسی قسم کے نبی ہونے کا دعویٰ تھا جس قسم کے نبی انبیاء سابقین تھے۔ وہ زمرۂ انبیاء و مرسلین میں شامل تھے اور جن معنوں میں قرآن نے نبی اور رسول کا لفظ ان حضرات کیلئے استعمال کیا ہے انہی معنوں میں میرزا صاحب نبی تھے۔

کیا میرزا محمود صاحب بتائیں گے کہ انبیائے سابقین جن کا ذکر قرآن نے کیا ہے اور جن کے زمرے میں میرزا صاحب اپنے آپ کو شریک سمجھتے تھے (مثلاً حضرت موسیٰؑ) مستقل نبی تھے یا امتی نبی تھے۔ جب وہ مستقل نبی تھے اور میرزا صاحب اپنے آپ کو انہی جیسا ایک نبی سمجھتے تھے، تو پھر ان کا دعوےٰ مستقل نبوت کا دعویٰ ہوگا یا کسی اور قسم کی نبوت کا!

نیز کیا میاں صاحب بتائیں گے کہ قرآن میں کہیں امتی یا ظلی نبی کا بھی ذکر آیا ہے — اور دیکھئے، ارشاد ہے:۔

جو لوگ نبیوں اور رسولوں پر حضرت جبرئیلؑ کا وحی لانا ضروری شرط نبوت قرار دیتے ہیں ان کے واسطے یہ امر واضح ہے کہ حضرت میرزا صاحب کے پاس نہ صرف ایک بار جبرئیل آیا بلکہ بار بار رجوع کرتا تھا اور وحی خداوندی لاتا رہا۔ قرآن میں نزول جبرئیل بہ پیرایۂ وحی صرف حضرت محمد رسول اللہ کے واسطے ثابت ہے ... ورنہ دوسرے انبیاء کے واسطے جبرئیل کا نزول از روئے قرآن شریف ثابت نہیں ... اعلیٰ درجہ کی وحی کے ساتھ فرشتہ ضرور آتا ہے خواہ اسکو کوئی دوسرا فرشتہ کہو یا جبرئیل کہو۔ اور چونکہ حضرت احمد علیہ السلام بھی نبی اور رسول تھے اور آپ پر اعلیٰ درجہ کی وحی یعنی وحی رسالت کا نزول ہوتا رہا ہے لہٰذا آپ کی وحی کے ساتھ فرشتہ ضرور آتا تھا اور خدا تعالیٰ نے اس فرشتہ کا نام تک بتا دیا ہے کہ وہ فرشتہ جبرئیل ہی ہے۔ (رسالہ احمدی نمبر ۵ بابت ۱۹۱۹ء مرتبہ [illegible])

کیا میرزا محمود صاحب فرمائیں گے کہ اس قسم کی اعلیٰ درجہ کی وحی پانے والا یعنی اس جبرئیل کے ذریعے وحی پانے والا جو صرف محمد رسول اللہؐ کے پاس آتے تھے مستقل نبی تھا یا کسی اور قسم کا نبی! — اور دیکھئے:

یہ شان بھی صرف انبیاء ہی کو حاصل ہے کہ ان کی وحی پر ایمان لایا جائے حضرت محمد رسول اللہؐ کو بھی قرآن میں یہی حکم ملا اور انہی الفاظ میں ملا اور بعدہ حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملا پس یہ امر بھی آپ کی (میرزا صاحب کی) نبوت کی دلیل ہے۔ (رسالہ احمدی۔ ایضاً)

کیا حضرت خلیفۃ المسیح صاحب فرمائیں گے کہ جس نبی کی وحی پر بعینہٖ اس طرح ایمان لانے کا تقاضا ہو جس طرح محمد رسول اللہ کی وحی پر ایمان لانے کا تقاضا تھا وہ نبی مستقل ہوگا یا ظلی اور عارضی؟

اب یہ دیکھئے کہ میرزا صاحب کا دعویٰ تشریعی نبی کا تھا یا غیر تشریعی کا[1]۔ اس باب میں خود میرزا غلام احمد صاحب فرماتے ہیں۔

---

[1] ہم اسوقت میرزا صاحب کے دعاوی کو قرآن کی روشنی میں نہیں پرکھ رہے۔ صرف انھیں بجنسہٖ نقل کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ورنہ قرآن کی رو سے تشریعی اور غیر تشریعی نبوت کی تقسیم ہی غلط ہے اور ظلی اور امتی نبی کی اصطلاح یکسر غیر قرآنی ہے۔

یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعے سے چند امر و نواہی بیان کئے اور اپنی امت کیلئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہوگیا... میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی... اگر یہ کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان هذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراهیم وموسیٰ ۔ یعنی قرآنی تعلیم توریت میں بھی موجود ہے۔ (اربعین ۴ ص۶)

چنانچہ میرزا صاحب نے اپنی شریعت کی ایک مثال خود بھی دی ہے جس میں بتایا ہے کہ ان کی شریعت کس طرح شریعتِ محمدی کی ناسخ ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

جہاد یعنی دینی لڑائیوں کی شدت کو خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ کم کرتا گیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے وقت میں اس قدر شدت تھی کہ ایمان لانا بھی قتل سے نہیں بچا سکتا تھا اور شیر خوار بچے بھی قتل کئے جاتے تھے پھر ہمارے نبیؐ کے وقت میں بچوں اور بڈھوں اور عورتوں کا قتل کرنا حرام کیا گیا اور پھر بعض قوموں کیلئے بجائے ایمان کے صرف جزیہ دیکر مواخذہ سے نجات پانا قبول کیا گیا اور پھر مسیح موعود کے وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔ (اربعین ۴ ص۱۵)

لیکن ہمیں اس بحث میں بھی پڑنے کی ضرورت نہیں کہ میرزا صاحب کا دعویٰ تشریعی نبی کا تھا یا غیر تشریعی کا۔ اسلئے کہ میرزا محمود احمد صاحب کے اپنے فیصلے کے مطابق شرعی اور غیر شرعی نبی میں کوئی فرق ہی نہیں ہوتا چنانچہ ان کا ارشاد ہے:

جن پر خدا کا کلام نازل ہوتا ہے وہ معمولی انسان نہیں ہوتے بلکہ ان کی ہستیاں دنیا سے جدا ہوتی ہیں... اور ایسے انسان شرعی ہوں یا غیر شرعی، ایک ہی مقام پر ہوتے ہیں۔ (خطبۂ جمعہ میاں محمود احمد صاحب۔ بحوالہ الفضل مورخہ ۲۵ ۴/۲۲)

کیا میرزا محمود صاحب فرمائیں گے کہ اس کے بعد ایک مستقل نبی میں اور میرزا صاحب میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے۔

اس کے بعد میاں محمود صاحب فرماتے ہیں:

حضرت بانی جماعت احمدیہ کا دعویٰ جیسا کہ اوپر کے حوالہ جات سے ظاہر ہے امتی نبی ہونے کا ہے... اسلئے مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ نبی کے ماننے والے الگ امت ہو جاتے ہیں اور نہ ماننے والے الگ۔ حضرت بانی جماعت احمدیہ اور احمدیوں کے عقیدہ کے صریحاً مخالف ہے۔ بانی جماعتِ احمدیہ بھی امتِ محمدیہ میں سے ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ امتی نبی کے انکار سے کوئی مسلمان امتِ محمدیہ سے خارج نہیں ہو سکتا۔ اس سے معزز عدالت سمجھ سکتی ہے کہ مودودی صاحب نے نئی امت کا جو نظریہ پیش کیا ہے وہ احمدی عقیدہ کے بالکل مخالف ہے اور حضرت بانی جماعت احمدیہ نے کوئی نئی امت نہیں بنائی۔ (ملت مورخہ ۲۱ ۱/۵۳)

یہ ہے "حضرت خلیفۃ المسیح الثانی" کا اعلان۔ اب سنئے کہ حقیقت کیا ہے۔ خود انہی حضرت نے جولائی ۱۹۳۱ء میں اپنے ایک خطبہ جمعہ میں فرمایا:

حضرت مسیح موعود کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفاتِ مسیح اور چند مسائل میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، رسول کریمؐ، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ۔ غرضیکہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ہمیں ان سے اختلاف ہے۔ (الفضل مورخہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء)

کیا جناب خلیفہ صاحب بتائیں گے کہ "ایک نئی امت" اور کس طرح بنا کرتی ہے؟ اور سنئے۔ الفضل بابت ۳۱ ۱۲/۱۴ میں یہ تحریر ہے:۔

حضرت خلیفۂ اول نے اعلان کیا تھا کہ ان کا (مسلمانوں کا) اسلام اور ہے اور ہمارا (قادیانیوں کا) اسلام اور ہے۔

اور دیکھئے:۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کا کام صرف اشاعتِ اسلام تھا اور اس کیلئے لوگوں کو تیار کرنا تھا اور یہی احمدیت ہے۔ اگر یہی احمدیت تھی تو اور لوگ جو حضرت مسیح موعود کے زمانے میں اشاعتِ اسلام کیلئے اُٹھے تھے تو ان کیلئے حضرت مسیح موعود کو خوشی کا اظہار کرنا چاہیئے تھا ... لیکن آپ نے اس طرح نہیں کیا۔ (الفضل مورخہ ۲۸ [illegible])

آگے بڑھئے۔

کیا مسیح ناصری نے اپنے پیروؤں کو یہود سے بہود سے الگ نہیں کیا؟ کیا وہ انبیاء جن کی سوانح کا علم ہم تک پہنچا ہے اور جن کے ساتھ جماعتیں بھی نظر آتی ہیں انہوں نے اپنی ان جماعتوں کو غیروں سے الگ نہیں کر دیا؟ ہر ایک شخص کو ماننا پڑیگا کہ بیشک کیا ہے۔ پس اگر حضرت مرزا صاحب نے بھی جو کہ نبی اور رسول ہیں اپنی جماعت کو منہاجِ نبوت کے مطابق غیروں سے الگ کر دیا تو کوئی نئی اور انوکھی بات کونسی ہے۔ (الفضل۔ بابت ۲۶ فروری و ۲ مارچ ۱۹۱۵ء)

کیا جناب میاں محمود صاحب فرمائیں گے کہ ان کی جماعت مسلمانوں سے الگ امت نہیں تو اور کیا ہے؟ —— اب یہ دیکھئے کہ مرزا صاحب اپنے منکرین کو مسلمان سمجھتے تھے یا نہیں۔ اس کی بابت صاحبزادہ بشیر احمد صاحب 'کلمۃ الفصل' میں لکھتے ہیں:

اس جگہ ایک اور شبہ بھی پڑتا ہے اور وہ یہ کہ جب حضرت مسیح موعود اپنے منکروں کو حسبِ حکمِ الٰہی اسلام سے خارج سمجھتے تھے تو آپ نے ان کیلئے اپنی بعض آخری کتابوں میں مسلمانوں کا لفظ کیوں استعمال فرمایا۔ [اس کے بعد صاحبزادہ صاحب نے اس کی دلیل دی ہے اور آخر میں لکھا ہے] پس یہ ایک یقینی بات ہے کہ حضرت صاحب نے جہاں کہیں بھی غیر احمدیوں کو مسلمان کہکر پکارا ہے وہاں صرف مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں ورنہ آپ حسبِ حکمِ الٰہی اپنے منکروں کو مسلمان نہ سمجھتے تھے۔

کیا مرزا محمود صاحب فرمائینگے کہ یہ "امتی نبی" اپنے منکرین کو مسلمان کیوں نہیں سمجھتا تھا اور انھوں نے جواب ارشاد فرمایا ہے کہ امتی نبی کا منکر مسلمانوں کی امت سے خارج نہیں ہوتا تو یہ مرزا غلام احمد صاحب کے عقیدہ کے مطابق ہے یا اس کے خلاف؟ کیا مرزا محمود صاحب خود اپنی اس تحریر کو بھول چکے ہیں جس میں انھوں نے فرمایا تھا کہ:-

کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے۔ خواہ انھوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا۔ وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ (آئینہ صداقت ص ۳۵۔ مصنفہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان۔)

قارئین یقیناً حیران ہوں گے کہ جس شخص کا اپنا یہ عقیدہ ہو وہ آج کس طرح سے کہہ سکتا ہے کہ مرزا صاحب کا منکر مسلمانوں کی امت سے خارج نہیں ہوتا؟ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں جو لوگ نبوت کا دعویٰ کرنے کی جرأت کرلیں پھر وہ ہر قسم کی تضاد بیانیوں کی جرأت کر سکتے ہیں! —— پھر یہ بھی سن لیجئے کہ جس طرح میاں صاحب آج تحقیقاتی عدالت کیلئے یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب کی نبوت کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، اسی طرح اس سے قبل ایک عدالت ہی میں یہ بیان بھی دیا جا چکا ہے کہ غیر احمدی کافر ہیں۔ چنانچہ اخبار الفضل کی اشاعت بابت ۴ ۹/۴۲ میں لکھا گیا تھا کہ

چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی بحث تو صرف یہ تھی کہ ہم احمدی مسلمان ہیں ہمیں کافر قرار دینا غلطی ہے۔ باقی غیر احمدی کافر ہیں یا نہیں اس کے متعلق عدالت ماتحت میں بھی احمدیوں کا یہی جواب تھا کہ ہم ان کو کافر کہتے ہیں اور ہائیکورٹ میں بھی چودھری صاحب نے اسی کی تائید کی۔

کیا مرزا محمود صاحب بتائیں گے کہ احمدیوں کا مذکورہ صدر بیان درست تھا یا وہ بیان جو انھوں نے اب دیا ہے؟ (شاید دونوں!!)

اب یہ دیکھئے کہ مرزائیوں کو غیر مرزائیوں (یعنی مسلمانوں) کے ساتھ کس قسم کے تعلقات رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سب سے پہلے خود مرزا غلام احمد صاحب کا ارشاد سن لیجئے۔ فرماتے ہیں:-

صبر کرو اور اپنی جماعت کے غیر کے پیچھے نماز مت پڑھو ... پاک جماعت جب الگ ہو تو پھر ترقی ہوتی ہے۔ (ارشاد مرزا صاحب۔ الحکم بابت ۱۰ ۸/۱۹۰۱)

اور خود میاں محمود صاحب کا ارشاد

حضرت مسیح موعود نے سختی سے تاکید فرمائی ہے کہ کسی احمدی کو غیر احمدی کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ باہر سے لوگ اس کے متعلق بار بار پوچھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں تم جتنی دفعہ بھی پوچھو گے اتنی دفعہ میں یہی جواب دونگا کہ غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں۔ جائز نہیں۔ جائز نہیں۔ (انوار خلافت ص۸۹)

نماز ہی نہیں۔ جنازہ تک پڑھنا بھی جائز نہیں۔ چنانچہ

حضرت (میرزا) صاحب نے اپنے بیٹے فضل احمد مرحوم کا جنازہ محض اسلئے نہیں پڑھا تھا کہ وہ غیر احمدی تھا۔ (الفضل بابت ۱۵ ۱۲/۱۲)

حتیٰ کہ غیر احمدی بچے تک کا بھی جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔ (الفضل بابت ۴ ۵/۲۳)

اس سے بھی ایک قدم آگے۔

سوال: کیا کسی شخص کی وفات پر جو سلسلہ احمدیہ میں داخل نہ ہو یہ کہنا جائز ہے کہ خدا مرحوم کو جنت نصیب کرے اور مغفرت کرے۔

جواب: غیر احمدیوں کا کفر بینات سے ثابت ہے اور کفار کیلئے دعائے مغفرت جائز نہیں (الفضل بابت ۷ ۲/۲۱)

حتیٰ کہ اگر کوئی احمدی غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھ لے تو اس کا جنازہ بھی جائز نہیں۔

میرا عقیدہ یہ ہے کہ جو لوگ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ان کا جنازہ جائز نہیں۔ (میاں محمود صاحب۔ بحوالہ الفضل بابت ۱۳ ۴/۲۴)

اور میرزائیوں کو اپنے اس مذہب پر فخر ہے۔ چنانچہ الفضل بابت ۲۰ ۱۵/۴ میں حسب ذیل واقعہ شائع ہوا تھا۔

تعلیم الاسلام ہائی اسکول (قادیان) میں ایک لڑکا پڑھتا ہے چراغ دین نام۔ حال ہی میں جب وہ اپنے وطن سیالکوٹ گیا تو اسکی والدہ صاحبہ فوت ہو گئیں۔ متوفیہ کو اپنے نوجوان بچے سے بہت محبت تھی لیکن سلسلے میں داخل نہ تھیں اسلئے چراغ دین نے اس کا جنازہ نہ پڑھا۔ اپنے اصول اور مذہب پر قائم رہا —— شاباش! اے تعلیم الاسلام کے غیور فرزند کہ قوم کو اس وقت تجھ سے غیور بچوں کی ضرورت ہے۔

مودودی صاحب کا ایک اعتراض یہ تھا کہ میرزائی غیر میرزائیوں سے اپنی لڑکیوں کی شادی نہیں کرتے۔ اسکے جواب میں میاں محمود صاحب فرماتے ہیں: -

اسی طرح مولانا مودودی صاحب کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح مسلمانوں اور احمدیوں نے آپس میں معاشرتی امور میں سلوک روا رکھا کیونکہ اب تک غیر احمدی مسلمان اپنی لڑکیوں کا نکاح احمدی مردوں سے کرتے ہیں۔ اسی طرح کئی مثالیں احمدیوں کی بھی پائی جاتی ہیں جنھوں نے غیر احمدی مسلمانوں سے اپنی لڑکیوں کے نکاح کئے۔ (ملت ۲۱ ۵/۵۴)

سوال یہ تھا کہ کیا احمدیوں کے نزدیک کسی غیر احمدی کو اپنی لڑکی دینا جائز ہے یا نہیں۔ میاں صاحب نہایت سادگی و پرکاری سے اس سوال کا جواب گول کر گئے اور کہدیا کہ کئی مثالیں موجود ہیں جن میں احمدیوں نے غیر احمدیوں کو اپنی لڑکیاں دیں۔ یہ ایسا ہی جواب ہے جیسے کوئی پوچھے کہ کیا اسلام میں شراب ناجائز ہے؟ تو اس کے جواب میں کہا جائے کہ کئی مثالیں موجود ہیں جن میں مسلمانوں نے شراب پی ہے! ——— سنئے اس باب میں مرزائیوں کا مذہب کیا ہے۔ سب سے پہلے میرزا غلام احمد صاحب کا ارشاد ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

اپنی لڑکی کسی غیر احمدی کو نہ دینی چاہئے۔ اگر ملے تو بیشک لو۔ لینے میں حرج نہیں۔ دینے میں گناہ ہے۔ (الحکم ۱۴ اپریل ۱۹۰۸ء)

اس کے بعد خود میاں محمود صاحب کا ارشاد ملاحظہ کیجئے۔

حضرت مسیح موعود کا حکم اور زبردست حکم ہے کہ کوئی احمدی غیر احمدی کو اپنی لڑکی نہ دے، اسکی تعمیل کرنا بھی ہر ایک احمدی کا فرض ہے۔ (برکاتِ خلافت مجموعہ تقاریر میاں محمود احمد صاحب)

یہ اس لئے کہ

غیر احمدیوں کی ہمارے مقابلے میں وہی حیثیت ہے جو قرآن کریم ایک مومن کے مقابلے میں اہل کتاب کی قرار دیکر تعلیم دیتا ہے کہ ایک مومن اہل کتاب عورت کو بیاہ لا سکتا ہے مگر مومنہ عورت کو اہل کتاب سے نہیں بیاہ سکتا۔ اسی طرح ایک احمدی غیر احمدی عورت کو اپنے حبالۂ عقد میں لا سکتا ہے مگر احمدی عورت شریعتِ اسلام کے مطابق غیر احمدی مرد کے نکاح میں نہیں دی جا سکتی۔ (الفضل بابت ۱۶ ۱۲/۱۴)

حضرت خلیفۃ المسیح" صاحب نے اپنے تبصرہ میں کہا ہے کہ ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں احمدیوں نے اپنی لڑکیاں غیر احمدیوں کو دیں۔ اب یہ سنئے کہ انہی خلیفہ صاحب کے الفاظ میں ایسے احمدیوں کی پوزیشن کیا ہے۔ فرماتے ہیں؛

جو شخص اپنی لڑکی کا رشتہ غیر احمدی لڑکے کو دیتا ہے میرے نزدیک وہ احمدی نہیں۔ کوئی شخص کسی کو غیر مسلم سمجھتے ہوئے اپنی لڑکی اس کے نکاح میں نہیں دیسکتا۔ . . . جو نکاح خواں ایسا نکاح پڑھائے اس کے متعلق بھی ہم وہی فتویٰ دینگے جو اس شخص کی نسبت دیا جا سکتا ہے جس نے ایک مسلمان لڑکی کا نکاح ایک عیسائی یا ہندو لڑکے سے پڑھا دیا ہو۔ (ڈائری میاں محمود احمد صاحب۔ الفضل ۲۳ ۵/۲۱)

حتیٰ کہ میاں صاحب ایسے شخص کو کافر قرار دیتے ہیں۔ ارشاد ہے:

. . . خارج از احمدیت ہونے سے میری مراد ایسے امورات ہیں کہ جن کی وجہ سے کفر کا فتویٰ لگ سکتا ہے چنانچہ غیر احمدی کو لڑکی کا رشتہ دینا بھی اسی قسم میں سے ہے۔ (ڈائری میاں محمود صاحب۔ الفضل)

اب آخر میں یہ بھی دیکھ لیجئے کہ من حیث المجموع میرزائیوں کی غیر میرزائیوں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کیا ہے۔ اس باب میں صاحبزادہ بشیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں؛

غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں۔ ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا۔ ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے جو ہم ان کے ساتھ مل کر کر سکتے ہیں۔ دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں ایک دینی دوسرے دنیوی۔ دینی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے اور دنیوی تعلقات کا بھاری ذریعہ رشتہ و ناطہ ہے۔ سو یہ دونوں ہمارے لئے حرام قرار دیئے گئے۔ اگر کہو کہ ہم کو ان کی لڑکیاں لینے کی اجازت ہے تو میں کہتا ہوں کہ نصاریٰ کی لڑکیاں لینے کی بھی اجازت ہے۔ . . غرض ہر ایک طریقہ سے ہم کو حضرت مسیح موعود نے غیروں سے الگ کیا ہے اور ایسا کوئی تعلق نہیں جو اسلام نے مسلمانوں کے ساتھ خاص کیا ہو اور پھر ہم کو اس سے نہ روکا گیا ہو۔ (کلمۃ الفصل)

آپ ان حوالہ جات کو دیکھئے اور پھر سوچئے کہ ایسی صاف صاف، واضح اور کھلی ہوئی تحریروں کی موجودگی میں میرزا بشیر الدین محمود صاحب کس دھڑلے سے کہتے ہیں کہ نہ میرزا صاحب نے مستقل نبوت کا دعویٰ کیا، نہ ان کی نبوت کے انکار سے کوئی شخص اسلام کے دائرے سے خارج ہوتا ہے۔ نہ ہم غیر میرزائیوں کو غیر مسلم سمجھتے ہیں۔ نہ ہم ان سے قطع تعلق کرتے ہیں اور نہ ہی انھیں اپنی لڑکیاں دینے میں کوئی باک سمجھتے ہیں! ایک معمولی آدمی بھی جسے اپنی ذمہ داری کا کچھ پاس ہو کبھی اس قسم کی غلط بیانی نہیں کرتا جس کا پول ایک منٹ میں کھل سکتا ہو لیکن آپ جماعتِ احمدیہ کے صدر، ان کے نبی کے صاحبزادے، اور "امیر المومنین" کی جرأت کی داد دیجئے کہ وہ کس طرح دن دہاڑے ساری دنیا کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں؟

اور یہ سب اسلئے کہ تحقیقاتی عدالت کے سامنے ان کے صحیح عقائد نہ آنے پائیں کہ مبادا اس سے انھیں کچھ گزند پہنچ جائے۔ آپ شاید اس سے بھی حیران ہوں کہ اتنی بڑی پوزیشن اور لرزہ براندامی کی یہ کیفیت؟ لیکن اس پر بھی متعجب ہونے کی کوئی بات نہیں۔ ان کے والد ماجد میرزا غلام احمد صاحب نے تو ان سے بھی بڑھ کر "ہمت" کا ثبوت دیا تھا جب ۱۸۹۹ء میں ان پر ڈپٹی کمشنر گورداسپور کی عدالت میں مقدمہ دائر ہوا تو انھوں نے حسب ذیل اقرار نامہ داخلِ عدالت کرکے اپنی جان چھڑائی تھی۔

میں میرزا غلام احمد بحضور خداوند تعالیٰ باقرار صالح اقرار کرتا ہوں کہ آئندہ ——— (۱) میں ایسی پیش گوئی شائع کرنے سے پرہیز کرونگا جس کے یہ معنی ہوں یا ایسے معنی خیال کئے جاسکیں کہ کسی شخص کو (یعنی مسلمان ہو خواہ ہندو ہو یا عیسائی وغیرہ) ذلت پہنچے گی یا وہ موردِ عتابِ الٰہی ہوگا ——— (۲) میں خدا کے پاس ایسی اپیل (فریاد یا درخواست) کرنے سے بھی اجتناب کرونگا کہ وہ کسی شخص کو (یعنی مسلمان ہو خواہ ہندو یا عیسائی وغیرہ) ذلیل کرنے سے یا ایسے نشان ظاہر کرنے سے کہ وہ موردِ عتابِ الٰہی ہے یہ ظاہر کرے کہ مذہبی مباحثہ میں کون سچا اور کون جھوٹا ہے ——— (۳) میں کسی چیز کو الہام بتا کر شائع کرنے سے مجتنب رہونگا جس کا یہ منشا ہو یا جو ایسا منشا رکھنے کی معقول وجہ رکھتا ہو کہ فلاں شخص (یعنی مسلمان ہو خواہ ہندو یا عیسائی وغیرہ) ذلت اٹھائیگا یا موردِ عتابِ الٰہی ہوگا۔ (اقرارنامہ میرزا غلام احمد بعدالت مسٹر ڈوئی ڈپٹی کمشنر گورداسپور۔ مورخہ ۲۴ فروری ۱۸۹۹ء)

لہٰذا باپ کا بیٹے پر اور ایک "نبی" کا اپنے خلیفہ پر اتنا "روحانی" اثر تو ہونا ہی چاہئے کہ وہ ایسے مواقع پر اس قسم کی ہمت کا ثبوت دے ——— میرزا صاحب کے اس اقرارنامہ پر جو تبصرہ خود میرزائیوں کی لاہوری جماعت نے کیا تھا وہ بھی قابل ملاحظہ ہے، انھوں نے لکھا تھا۔

تم (قادیانی) اپنے دعوے میں راست باز نہیں کہلا سکتے بلکہ ایک طرف نبی تراش نام رکھکر دوسری طرف نتیجہ میں صرف ایک نبی کا لفظ بولکر سراسر نبی کریمؐ کی ہتک کر رہے ہو پھر کیا وہ پہلے انبیاء بھی ایسے ہی محکوم ہوتے تھے کہ گورنمنٹ کے خوف سے آئندہ کے لئے انذاری پیش گوئیاں موت وغیرہ کے متعلق کرنے سے رک جایا کرتے تھے کہ آئندہ ہم موت کی پیش گوئی کسی کی نہ کیا کرینگے۔ خدا کی گورنمنٹ زبردست ہے یا انسان کی؟ پہلے مسیح نے تو سولی قبول کی مگر کلمۂ حق پہنچانے سے انکار نہیں کیا۔ مگر اپنے من گھڑت نبی کے حالات سے تم خود ہی واقف ہو ہمیں تشریح کرنے کی حاجت نہیں۔ (پیغام صلح۔ مورخہ ۱۰ ½)

بالکل بجا! اس قسم کا آدمی نبی کیسے ہو سکتا ہے؟ البتہ "مجدد" ضرور ہو سکتا ہے کیونکہ "مجدد" کے لئے یہ شرط نہیں کہ وہ خدا کی گورنمنٹ کو انسانوں کی گورنمنٹ سے زبردست سمجھے اور حق گوئی کی خاطر سولی قبول کرے!

یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ مرکز بحث میرزا بشیر الدین محمود صاحب کا تبصرہ ہے۔ ان حوالہ جات کی روشنی میں جو اوپر درج کئے گئے ہیں ہم میرزا صاحب سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ

(۱) کیا میرزا غلام احمد صاحب، خود میاں محمود صاحب، صاحبزادہ بشیر احمد صاحب اور احمدی جماعت کے عقائد وہ ہیں جو مذکورہ بالا حوالوں میں درج ہیں یا وہ ہیں جو انھوں نے اب اپنے تبصرہ میں بیان فرمائے ہیں؟

(۲) اگر احمدی جماعت کے عقائد وہ ہیں جو ان حوالہ جات میں درج ہیں تو پھر انھوں نے اپنے تبصرہ میں ان سے مختلف اور متضاد عقائد کیوں ظاہر کئے ہیں۔

(۳) اور اگر ان کے عقائد وہ ہیں جو ان کے موجودہ تبصرہ میں درج ہیں تو پھر اُن تمام حوالہ جات کے متعلق کیا ارشاد ہے جو اوپر درج کئے گئے ہیں؟

اگر میاں بشیر الدین محمود صاحب ان سوالات کا جواب دینے کی ہمت رکھتے ہوں تو طلوع اسلام کے صفحات اس کیلئے کھلے ہیں۔ دیکھیں کہ میاں صاحب بھی چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی طرح چپ سادھ لیتے ہیں یا ان سوالات کا جواب دینے کی ہمت کرتے ہیں۔

نقد و نظر

روزنامہ "ٹائمز آف کراچی" کراچی نے اپنی ۱۶ ستمبر ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں حسب ذیل تبصرہ کیا :-

قرآنی فیصلے

قیام پاکستان کے فوراً بعد یہ اصولی مسئلہ ہمارے سامنے آگیا کہ اب جبکہ اسلام کے نام پر قطعۂ ارض حاصل کر لیا گیا ہے تو اپنی زندگی کو کس طرح تعلیمات اسلامی کے مطابق ڈھالا جائے۔ یہ سوال بالکل قدرتی اور قابل فہم تھا لیکن اسکے جوابات بیشمار تھے جن میں اکثر اس قدر پریشان اور پریشان کن تھے کہ یہ خیال پیدا ہونا شروع ہو گیا کہ اصول قرآنی پیغمبروں اور فرشتوں کے شایان شان ہوں تو ہوں عام انسانوں کی دنیا سے وہ بہت بالا ہیں یہ ایک خطرناک رجحانِ فکر تھا — یا اسے عدم فکر کہہ لیجئے! — لیکن مذہب سے متعلق ہمارے ہاں جو پریشان خیالی پائی جاتی ہے یہ اس کا لازمی نتیجہ تھا۔

"طلوع اسلام" کہ اقبال کے اس مکتب فکر کا علمبردار تھا جس کا پیش نہاد تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" تھا، اس مقام پر آگے بڑھا اور قرآنی روشنی میں ملی عقائد و اعمال کے جائزہ لینے کی ذمہ داری سنبھالی۔ قرآنی موضوعات و تعلیمات پر عمومی اور اصولی بحث کے ساتھ ساتھ اس مجلہ نے "باب المراسلات" کا ایک عنوان اس غرض سے شروع کیا کہ گوناگوں مسائل سے متعلق قارئین کے استفسارات کے جوابات دے۔ یہ عنوان ایسا مقبول ہوا کہ بہت جلد روزمرہ کی زندگی کے بہت سے مسائل سامنے آگئے۔ اِدھر قارئین نے جی کھول کر سوالات پوچھے اور اُدھر طلوعِ اسلام نے ایسے واضح اور مدلل اور شافی جوابات دیئے کہ جن کی مثال مذہبی تاریخ میں ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملے گی۔ اس مجلہ کے نزدیک دین کا مدار قرآن اور تنہا قرآن پر ہے۔ اس کی ہدایت کا واحد سرچشمہ کتاب اللہ ہے۔ جس حیرت انگیز طریق سے وہ قرآن کے معانی بیان کرتا ہے وہ دل پر بھی اثر کرتے ہیں اور عقل کیلئے بھی قابل قبول ہوتے ہیں۔ طلوع اسلام قرآن کی ترجمانی ایسے عمدہ طریق سے کرتا ہے کہ ہر شخص یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ اپنے خصوصی ماحول میں اپنی طبعی بشری خامیوں کے باوصف انھیں قبول و رائج کر سکتا ہے یعنی اسے یقین آجاتا ہے کہ قرآن کسی فوق العادہ مخلوق کیلئے نہیں بلکہ یہی عام سطح کے انسانوں کے لئے ضابطۂ حیات ہے اور بالکل قابل عمل ہے۔

کتاب بیشمار موضوعات پر مشتمل ہے۔ ان میں قابل ذکر نماز، زکوٰۃ، صدقہ، تعدد ازدواج، غلامی، ثواب، طلاق، شب بارات، عذاب قبر، تصویر کشی ارتقاء، قومی ملکیت، نیابتِ الٰہی ہیں۔ دین سے متعلق شاید ہی کوئی کتاب اس سے زیادہ عہد حاضر کی عقل کیلئے قابل قبول ہو سکے۔

اور ۸ ستمبر ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں

جشن نامے

یہ کتاب اس فکر انگیز اور معرکہ آرا سلسلہ مطبوعات کی ایک کڑی ہے جنھیں حال ہی میں ادارہ طلوع اسلام نے شائع کیا ہے یہ مجموعہ ہے ان مضامین کا جو قومی تقریبات بالخصوص ایام آزادی کے موقعوں پر وقتاً فوقتاً "طلوع اسلام" میں شائع ہوتے رہے یہی عنوان کتاب کی وجہ تسمیہ ہے۔ یہ نام بظاہر پرانی اور متروک روش کا پتہ دیتا ہے لیکن اس میں ایک طنز ہے اس حقیقت پر کہ ان تقریبات کو محض "جشن" کی حیثیت دیدی گئی ہے اور بس۔ اس سے زیادہ ان کا کوئی استعمال نہ حکومت کے پیش نظر ہے نہ عوام کے پیش نظر۔

اپنی خصوصیت کے مطابق "طلوع اسلام" نے ہر ملی تقریب کو محاسبہ نفس کا موقع بنایا اور پوری صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے تنقید کا

حق ادا کیا۔ اس نے ملت کی کسی لغزش یا فروگذاشت کو نظر انداز نہیں کیا اور کڑی نکتہ چینی کی۔ ان تنقیدات سے نہ محض پاکستان کے چند سالہ حالات وکوائف کا اجمالی نقشہ سامنے آجاتا ہے بلکہ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کے متعلق میں کیا خامی تھی اور ایسے موقعوں پر کیا کرنا چاہیئے تھا۔ یہ علمی بحث بھی ہے اور روزمرہ کے واقعات پر عام تبصرہ بھی۔ لیکن یہ ادبی جمناسٹک نہیں، گو اس میں ادبی چاشنی موجود ہے۔ جو شے خصوصیت سے کتاب کی اہمیت کو نمایاں کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کا تانہ جرعہ قرآن ہے۔ اس میں قومی معاملات کو قرآن ہی کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے، قرآن ہی کے اصولوں پر ان کا تجزیہ کیا گیا ہے اور قرآن ہی سے راہنمائی حاصل کی گئی ہے۔

---

۳۰ ستمبر ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں :-

سلیم کے نام فکر اسلامی کی تشکیل جدید کی جو تحریک گذشتہ صدی میں اس برصغیر میں ابھری اور جسے اقبال نے اس صدی میں ایک متعین شکل عطا کی، پرویز اسی سلسلہ کی اگلی کڑی ہیں۔ انھیں علوم مشرقی وعلوم مغربی پر بڑا عبور حاصل ہے اور آپ کا سارا تبحر علمی قرآن کی تبیین وتشریح کیلئے وقف ہے۔ انھوں نے اقبال کے بعد اس رشتہ کو آگے بڑھایا اور یہ ثابت کر دیا کہ ہمارے دور میں قرآن بالکل قابل عمل ہے۔ ان کی فوق العادت محنت اور بے پایاں جنون نے اسلام کا ایسا خاکہ مرتب کر لیا ہے جس میں عہد حاضر کا وہ انسان نہایت اطمینان و دلجمعی سے تعمیر خودی کر سکتا ہے جس کے قدم سائنس کی پروردہ مادیت کے بے پناہ تھپیڑوں نے اکھاڑ کر رکھ دیئے ہیں۔ پرویز کی انتہائی کوشش ہے کہ دقیانوسی ملائیت نے جن نوجوانوں کو اسلام سے برگشتہ کر دیا ہے انھیں اسلام کے حقائق و معارف سے متعارف کرا دے۔ اقبال کی طرح انھیں بھی یقین ہے کہ نئی نسل کی اسلام سے برگشتگی ہرگز اس کا ثبوت نہیں ہے کہ اس نے اسلام کی بجائے کفر کو منتخب کر لیا ہے اور اپنا آخری فیصلہ کر لیا ہے۔ وہ صرف اس مذہب سے متنفر ہیں جنھیں ملا اسلام کے نام سے پیش کرتا چلا آرہا ہے۔ یہ درحقیقت اسلام کی مخالف سمت میں نہیں بلکہ اسلام کی جانب ایک قدم ہے۔ چنانچہ انھوں نے نوجوانوں کو دعوت دی ہے اور اس راہ پر لے جانے کا عزم کر لیا ہے جو رسول اللہ کا بتایا ہوا ہے اور قرآن میں ویسے کا ویسا محفوظ ہے۔

پرویز نے ایک نمائندہ نوجوان کو منتخب کیا ہے اس کا نام سلیم ہے۔ اس نوجوان کے دامانِ نگاہ کو پرویز نے مالا مال کر دیا ہے۔ ان کی زبان سادہ اور دلآویز ہے اور طرز نگارش ایسا کہ دل و دماغ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کتاب میں اکیس ۲۱ خطوط ہیں جن میں کا ہر خط اتنا مبسوط ہے کہ وہ موضوع متعلقہ کا احاطہ کر سکے۔ ان میں وہ مسائل زیر بحث لائے گئے ہیں جو نوجوانوں کے قلب و دماغ کو وقف پیچ و تاب بنا رہے ہیں۔ جوانی کا دور عمر کا نازک اور اہم دور ہوتا ہے۔ عمر کے اس حصے میں ماضی کی اقدار کی اہمیت زیادہ نہیں ہوتی کیونکہ نگاہیں مستقبل پر لگنا شروع ہو جاتی ہیں۔ ہمارا نوجوان ماضی کے ورثے سے محروم ہوتا ہے اور مستقبل سے متعلق مذبذب۔ یہ خطوط ایسے نوجوان ـــ نوجوانوں ـــ کے نام ہیں۔

پہلے کچھ خطوط دیہاتی زندگی سے متعلق ہیں لیکن ان کے بعد راہ بدل جاتی ہے اور قصاً علمی اور جگہ بہ جگہ فلسفیانہ ہو جاتی ہے۔ کہیں کہیں فنی چیزیں بھی سامنے آجاتی ہیں۔ صاحب کتاب اسلامی نظام کی تشریح کر کے سلیم کو بتاتے ہیں کہ سیاسی غلبہ یا مملکت مقصود بالذات نہیں بلکہ حصول مقصد کا ذریعہ ہے۔ یہ بحث کمیونزم پر بحث کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس پر مفصل گفتگو کی گئی ہے اور اس کا اسلام سے تقابل کیا گیا ہے۔ اس بحث میں بعض نئی باتیں پیش کی گئی ہیں۔ مثلاً مصنف نے بتایا ہے ـــ اور اس کے جواز میں قرآنی آیات پیش کی ہیں ـــ کہ اسلام کے نظام مواثرت

ہیں وسائل رزق اجتماعی قبضہ میں ہوتے ہیں اور ان کی انفرادی ملکیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی سلسلہ میں انھوں نے "نظام ربوبیت" یعنی قرآنی معاشرت کا ذکر بھی کیا ہے جسے وہ اپنی تحریرات میں خصوصیت سے پیش کر رہے ہیں۔ اسی ضمن میں انسانی نفس (خودی) کی بحث بھی آگئی ہے، نیز یہ بھی کہ انسانی نفس کا نفس مطلق سے کیا رشتہ ہے اور اس کا خط ترقی کیا ہے۔ کتاب میں نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ نیز دیگر مسائل کا بیان بھی ملے گا۔ کتاب کے آخری حصے میں اس قسم کے تجریدی مسائل سامنے آگئے ہیں مثلاً انسانی فطرت کیا ہے اور فطرت اللہ سے کیا مراد ہے؟ خدا کا تصور کیا ہے اور روح کا کیا مقام ہے اور عقل انسانی کا کیا ہے؟ یہ بظاہر تجریدی مسائل ہیں لیکن ان پر بحث اس غرض سے کی گئی ہے کہ ان کا عملی پہلو نمایاں کیا جائے اور بتایا جائے کہ عملی زندگی پر ان کا کتنا گہرا اثر ہے۔

"سلیم کے نام" جملہ "مسلمانان دہر" کیلئے بیش بہا کتاب ہے۔

روزنامہ "نوائے وقت" لاہور نے اپنی ۳ نومبر ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں حسب ذیل تبصرہ شائع کیا۔

سلیم کے نام از پرویز۔ ناشران۔ ادارہ طلوع اسلام کوی روڈ کراچی ۔ صفحات ۴۰۸۔ قیمت چھ روپے۔ مجلد

جناب پرویز کا نام محتاج تعارف نہیں۔ انھوں نے اپنی عمر عزیز قرآن کے مطالعہ اور اس کے بیان پر صرف کی ہے۔ یہ کوشش کس حد تک مشکور و کامیاب ہوئی ہے اس کا اندازہ ان بیشمار تحریروں سے لگایا جا سکتا ہے جو کتابوں اور مضامین کی شکل میں پرویز کے قلم سے گذشتہ چوتھائی صدی میں نکلیں اور مقبول عام ہوئیں۔ ادارہ طلوع اسلام نے حال ہی میں ان کے بعض مضامین متفرق موضوعات کے اعتبار سے یکجا شائع کیا ہے اور اس طرح نہایت بیش بہا لٹریچر کو عام ہی نہیں بلکہ محفوظ کر دیا ہے۔ اس قبیل کی ایک کتاب "سلیم کے نام" انہی دنوں شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب ان خطوط پر مشتمل ہے جو وقتاً فوقتاً اسی عنوان سے ماہنامہ طلوع اسلام میں چھپتے رہے ہیں۔ "سلیم" عہد حاضر کا نمائندہ نوجوان ہے جو ماضی و حال کی تاریخی کشمکش کا مظہر ہے۔ اس کا قلب اس گہرے اضطراب کی آماجگاہ ہے جو اس دور کا خاصہ ہے۔ ایک طرف ماضی کے عوامل ہیں جو ورثتہً اسی حاصل ہوئے ہیں، دوسری طرف افکار و خیالات کے وہ طوفان ہیں جو اس وقت تمام کرۂ ارض پر محیط ہیں اور جن کے لئے انسان ایک تنکے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ سلیم کا قلب نہ ماضی میں امان پاتا ہے نہ حال میں اسے عافیت ملتی ہے۔ وہ ابراہیمؑ کی طرح نہ ستارے سے مرعوب ہوتا ہے نہ چاند سے متاثر اور نہ سورج کے سامنے ہی جھک سکتا ہے۔ ان کی فطرت ان سب سے ابا کرتی ہے لیکن اسے وہ مثبت اقدار میسر نہیں آتیں جو اسے ان طوفانوں میں کوہساروں کی طرح محکم بنا دیں۔ پرویز نے ایسے نوجوانوں کو تاکا ہے اور اپنے تاک علم کو اس کے پیمانے میں پوری بے جگری سے نچوڑ دیا ہے۔ اس نے اقبالؒ کے الفاظ میں سلیم کو قطرے نہیں بخشے شعلے عطا کئے ہیں۔ پرویز نے سلیم کو بتایا ہے کہ کس طرح اس کے ہر شک، ہر خلش، ہر اضطراب کا جواب قرآن کی جاں بخش فضاؤں میں مل سکتا ہے۔ پرویز الفاظ سے نہیں کھیلا اس نے جذبات سے کام نہیں لیا، اس نے قرآن ہی سے واضح طور پر بتایا ہے کہ سلیم کی خلش کیا ہے، اور قرآن کے پاس اس کا مداوا کیا ہے۔

کتاب میں انیس مبسوط خطوط ہیں۔ ابتدائی خطوط میں لوگوں کے روزمرہ کے معاملات کے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔ ان کا پس منظر پنجاب کا دیہاتی ماحول ہے۔ اسکے بعد کے خطوط جو تمامتر قیام پاکستان کے بعد لکھے گئے ان اصولی مباحث کے حامل ہیں جو گذشتہ چھ سال سے ہمارے قلوب و اذہان کیلئے وجہ اضطراب بنے ہوئے ہیں۔ اسلامی نظام کا قرآنی تصور حکومت و مملکت کا اسلامی فلسفہ و منشا، نفس انسانی کا مفہوم و مقام، کمیونزم اور اسلام کا تقابل، نظام ربوبیت کا تعارف، صلوٰۃ و زکوٰۃ کی تشریح ایسے مسائل ہیں جن پر ریب و تشکک کے پردے اٹھا دیئے جائیں تو ہماری بیشتر الجھنیں ختم ہو سکتی ہیں۔ لیکن پرویز نے انھیں موضوعات پر اکتفا نہیں کی، انھوں نے اخلاق کا بھی جائزہ لیا ہے اور اس سوال کا جواب بھی دیا ہے کہ انسان نیکی کے راستہ سے ہٹتا کیوں ہے اور نیکی اور بدی کی تمیز کے باوصف بدی کی راہ کیوں اختیار کرتا ہے۔ اس خط میں اسلامی معاشرت کی ادراس و منتہا کے تصورات سامنے آجاتے ہیں۔ ایک خط میں ختم نبوت پر بحث کی گئی ہے۔ یہاں انداز عام بحث سے نہایت مختلف ہے۔ نبوت کا مقام کیا ہے؟ ختم نبوت سے کیا مراد ہے؟ نبوت کیوں ختم کر دی گئی ہے؟ "سلیم کے نام" عہد حاضر کے نوجوان کیلئے بیش بہا دولت ہے۔ وہ اس بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لانے کی ضامن ہو سکتی ہے۔ سلیم پورے اعتماد سے اس کی فضاؤں میں اپنا نصیب تلاش کر سکتا ہے۔ اسلام کا کوئی صاحب علم اس کتاب سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

القرآن العظیم

(محترم مولانا قاری محمد طیب صاحب صدر مہتمم مدرسہ عالیہ دارالعلوم دیوبند)

[آج سے کچھ عرصہ پہلے تک آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہمارے دینی مکاتب و مدارس اور مساجد و منابر سے ہمیشہ فقہ اور احادیث، قصص و آثار، اور تاریخ وسیر کے چرچے ہوتے رہتے تھے۔ اور قرآن کا نام اس طرح تبرکاً لیا جاتا تھا جس طرح خطوط کے اوپر ۷۸۶ (غیر شعوری طور پر) تبرکاً لکھ لیا جاتا ہے۔ طلوع اسلام نے ۱۹۳۸ء میں قرآن کی دائمی مکمل اور غیر متبدل تعلیم کی آواز بلند کی اور بتوفیق ایزدی وہ دن بدن آگے بڑھتی چلی گئی حتیٰ کہ آج اس کے اثر کا یہ عالم ہے کہ خود ان گوشوں سے بھی جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے قرآن کی محکمیت اور اکملیت کے اعلانات ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔ اس کی ایک شہادت زیر نظر مضمون بہم پہنچاتا ہے۔ صاحب مضمون قاری محمد طیب صاحب صدر مہتمم مدرسہ عالیہ دارالعلوم دیوبند ہیں۔ جہاں کے فارغ التحصیل طلبا کو قرآن کا جتنا علم ہوتا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ یہ کتنا بڑا انقلاب ہے کہ اس دیوبند کے مہتمم صاحب کی طرف سے اس کے ماہنامہ "دارالعلوم" میں قرآن کی عظمت کا اس طرح اعتراف کیا جائے۔ ہم قابل مبارکباد سمجھتے ہیں دیوبند کے مجلہ "دارالعلوم" کو جس کے شکریہ کے ساتھ طلوع اسلام اپنی روش کے خلاف اس مضمون کو نقل کرتا ہے۔

خدا کرے کہ پاکستان کے کسی مکتب یا مسجد سے بھی قرآن کی آواز بلند ہونا شروع ہو جائے۔ (طلوع اسلام)]

قوموں اور ملتوں کی تعمیر یادگاروں اور مجسموں سے نہیں ہوتی بلکہ لٹریچر اور مدون شدہ علمی ذخیروں سے ہوتی ہے۔ لٹریچر میں اس قوم کے مخصوص ذہنی جذبات کی محرک تعبیریں مرقوم ہوتی ہیں اور جوں ہی دماغ ان لکیروں سے گذرتا ہے ووں ہی اس میں متعلقہ جذبات بیدار ہو کر قوائے عمل کو برانگیختہ کر دیتے ہیں اور قوم کے فکر و عمل کا ایک مخصوص خاکہ تیار ہو جاتا ہے جس سے یہ قوم اپنا وجود پاتی ہے اور اقوام کے جمگھٹے میں اپنے انہی مخصوص افکار و اعمال کے ذریعے ایک امتیازی وجود کے ساتھ موجود ہو جاتی ہے۔ مثلاً۔

ہندو قوم کا ایک خاص کلچر اور خاص رنگ کی ایک تہذیب ہے، لیکن یہ تہذیب ان کی تعمیری یادگاروں اور مجسموں جیسے اشوک کی لاٹ، الورا کے غار، ایجنٹا کی مورتیوں اور سومناتھ کے مندر وغیرہ سے نہیں بنی، کہ ہندو قوم کا بننا اور بگڑنا ان چیزوں کے ہونے نہ ہونے پر موقوف نہیں۔ اس قوم کو جو چیز سنبھالے ہوئے ہے وہ مہابھارت، گیتا اور شاستر، پران وغیرہ کا لٹریچر ہے جو ان کی تہذیب و ثقافت کی تعبیر ہے اور ان کے دماغوں اور قومی جذبات کو تھامے کھڑی ہے۔

عرب قومیں ایران و فارس میں پہنچیں، اسے فتح کیا، وہاں کی قوموں کو فتح کیا، ان کے تہذیب و تمدن پر گہرا اثر ڈالا۔ بظاہر مفتوح قوم کو اس انقلاب کے بعد مٹ جانا چاہیے تھا لیکن جس چیز نے مفتوح قوم کو مٹنے سے بچا لیا، بلکہ فاتح کے دل میں مفتوح کا گھر بنا دیا وہ شاہنامہ وغیرہ کا فارسی لٹریچر ہے۔ فردوسی نے اپنی قوم پر احسان کیا، اور ایرانیوں کی عظمت رفتہ کو

موت کے منہ سے نکال لیا، نہ صرف یہی بلکہ مسلمانوں کو اس حد تک اس عظمت کا دلدادہ بنا دیا کہ سلاطینِ اسلام اور امراء و عوام نے فخر کے ساتھ ان کارناموں کو اپنی تاریخ میں جگہ دی اور اس حد تک متاثر ہوئے کہ ان کے ناموں سے تسمیہ تک مسلمانوں میں رائج ہو گیا۔ رستم خاں، سہراب خاں، جمشید علی، امیر خسرو، فیروز بخت، جواں بخت، فرخ سیر وغیرہ اسماء نے وقعت کے ساتھ لٹریچر میں جگہ پائی۔ یہی وہ لٹریچر تھا جس نے نہ صرف مفتوح کو بچایا بلکہ فاتح کو مفتوح کیا۔

عربوں کی شجاعت اور قومی روایات انتہائی جہالت اور فقدانِ تعلیم کے باوجود ان کے شاعروں اور خطیبوں نے قائم رکھیں، اس دور میں خطابت و شاعری میں ان کا لٹریچر اور فکری ذخیرہ پنہاں تھا جس کی تعبیروں میں ان کا تمدن اور کلچر لپٹا ہوا تھا، وہ شاعر بنتے نہ تھے بلکہ پیدا ہوتے تھے اور مفاخرِ عرب پر قصائد اور کہاوتیں کہہ کر قوم کی روایات تھامے ہوئے تھے۔

ماضی قریب میں گاندھی اور دوسرے لیڈروں کا یہی فکری ذخیرہ تھا جس نے اولاً خیالات کی دنیا میں انقلاب و ہیجان بپا کیا، پھر قول و عمل میں اس کی جلوہ گری ہوئی اور پھر آخر کار ملک میں انقلاب رونما ہو گیا، جو درحقیقت وہی فکری اور ذہنی انقلاب تھا جس نے اندر سے باہر آتے ہوئے مختلف روپ اختیار کئے اور بالآخر ملک کی غلامی کو آزادی سے بدل دیا جس سے واضح ہو گیا کہ قومیتوں کا مدار کار ان کا لٹریچر ٹھہر جاتا ہے۔ غرض لٹریچر ہی خیالات کی دنیا بناتا ہے اور پھر وہی عملی دنیا میں متمثل ہو کر جلوہ گر ہو جاتا ہے، گویا قوم کے اوپر بظاہر لباس اُون، ریشم اور زری کا ہوتا ہے لیکن اس کے پردہ میں قوم اپنے لٹریچر کے لباس سے ملبوس ہوتی ہے جو لباس اور ملبوس دونوں میں رچا ہوا ہوتا ہے اور برنگ لباس خود ہی ظہور کرتا ہے اور قومیتوں کی تعمیر و تخریب کا معیار لٹریچر ثابت ہوتا ہے نہ کہ یادگاریں، محسوس یادگاروں سے مٹی ہوئی کسی قوم کی یاد تو زندہ رہتی ہے لیکن خود قوم زندہ نہیں ہوتی، آج متعدد قوموں کی یادگاریں مجسموں اور عمارتوں کی شکل میں موجود ہیں لیکن خود وہ قومیں موجود نہیں کیونکہ ان کے بقا کا ضامن لٹریچر موجود نہیں جس سے اس قوم میں حرکت اور زندگی پیدا ہوتی ہے، لیکن اگر کسی قوم کی حسی یادگاریں منہدم ہو جائیں مگر معنوی ذخیرے محفوظ طریقہ پر اُن کے کردار و گفتار سے بروئے کار آئے ہوں تو اس قوم کے مٹ جانے کا کوئی تصور نہیں باندھا جا سکتا۔

بہرحال قوموں کی حیات و ممات کا واحد معیار ان کا لٹریچر اور فکری و عملی سرمایہ ہے جو قوم کیلئے بمنزلہ روح و حیات کے ہوتا ہے۔

لٹریچر کے ساتھ لٹریچر فراہم کرنے والی شخصیتوں سے بھی قطع نظر نہیں کی جا سکتی۔ اگر لٹریچر جمع کرنے والے اچھے خیالات و جذبات کے حامل اور خود اس لٹریچر سے متاثر ہیں تو قلوب کی دنیا سنور کر بیرونی دنیا کو درست کرتی ہے ورنہ بگاڑ دیتی ہے، آج کے ہنگاموں، غارت گریوں اور آبروریزیوں کا الزام لوگ غنڈوں پر رکھتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ان غنڈوں کو کس نے بنایا؟ اور ان کے ظالمانہ اور سفاکانہ افکار کی تعمیر کس نے کی؟ جواب اس کے سوا کیا ہے کہ اہلِ قلم نے، اخباروں نے، رسالوں نے، شاعروں نے، ادیبوں نے، سیاسی اور مذہبی پیشواؤں نے! یہ انہی کی نیکی اور بدی تھی جس کا لباس غنڈوں اور دوسروں نے پہن کر اس نیکی و بدی کو قلم سے زبان تک اور زبان سے ہاتھ پیر تک پہنچایا اور دنیا کو بدل دیا، بلاشبہ دنیا میں انقلاب پروپیگنڈا کرتا ہے مگر پروپیگنڈے کو زندہ لٹریچر کرتا ہے، جس کی آلۂ کار قوم بنتی ہے اور انفس کا ذہنی انقلاب آفاق میں خارجی انقلاب لے آتا ہے۔ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم۔

مسلمانوں کی قومی زندگی اور ان کی اجتماعی تشکیل و تنظیم اور ان کی عالمگیر ترقی بھی ان کے لٹریچر ہی کا ثمرہ ہے۔ مسلمانوں نے عرب، ایران، روم و شام، مصر و فلسطین، عراق و خراسان، ترکستان، افغانستان، ہندوستان، جزائر شرق الہند اور ایشیا و یورپ کا بڑا حصہ فتح کیا، غیر مفتوحہ علاقوں پر اپنا اثر قائم کیا، عالم پر اپنا پرچم لہرایا اور مختلف روحی تہذیبوں اور تمدنوں کے سمندروں میں بھونچال ڈال دیئے لیکن یہ ان کی طوفانی ترقی، تعمیرات، مجسموں، یادگاروں، تصویروں اور مورتیوں کی رہین منت نہیں کہ ان رسمیات کو تو اس نے خود ہی جڑ سے اکھاڑ کر پھینکدیا تھا، بلکہ یہ سب کچھ ان کے اس فطرت نواز لٹریچر کا ثمرہ تھا جس نے ان کے دل و دماغ کی تعمیر کی، ان کے نظر و فکر کو وسیع اور عالمگیر بنایا، ان کے قوائے علم و عمل کو بیدار کر کے انھیں عمل کا ایک لامحدود میدان بخشا، اور ایک نصب العین پیش کر کے ان کی ہمہ گیر تنظیم کر دی، اس لٹریچر کا نام "القرآن الحکیم" ہے، اس لئے قرآن میں قرآن کو "روح حیات" کہا گیا ہے:

وکذٰلک اوحینا الیک روحا من امرنا۔

اور حدیث نبوی میں قرآن کو اقوام کی ترقی و تنزل کا واحد معیار بتلایا گیا ہے:

یرفع بھذا الکتاب اقواما و یضع بہ اٰخرین

قرن اول کے جلیل القدر مسلمانوں کے پاس لٹریچر کے سلسلہ میں "قرآن عظیم" کے سوا دوسری کتاب نہ تھی، اگر تھی تو اس کی اولین شرح و تفسیر تھی جسکو حدیث کہا جاتا ہے اور اگر اس کے بعد کچھ اور تھا تو وہ انہی دونوں مصدر شریعت سے نکلا ہوا مسائل کا ذخیرہ تھا جسکو فقہ کہا جاتا ہے لیکن ان سب کی اصل اصول یہی کتاب مبین[1] تھی جس کے عالمگیر اصول نے اس قوم کے اخلاق، اعتقاد، اعمال اور افکار و جذبات میں بھی عالمگیری پیدا کی، یہانتک کہ اسی قوم اور اس کے لٹریچر کی بدولت پوری دنیا میں شعوری اور غیر شعوری طور پر عالمی مقاصد کا تخیل پھیل گیا، اسلئے قرآن حکیم میں اس قرآن کو پوری دنیا اور اس کے سارے جہانوں کیلئے پیغام ہدایت و موعظت بتلایا گیا ہے۔ ان ھو الا ذکری للعٰلمین جس سے واضح ہے کہ اس کے فطری اور کلی اصول نہ صرف مسلمانوں بلکہ ساری دنیا والوں کے لئے اصولی ترقی ہیں۔ دارین کیلئے اختیار کئے جائیں تو دارین کی نجات و فلاح ہے اور صرف دار دنیا کیلئے استعمال کئے جائیں تو دنیا کی بہبود و ترقی ہے، غلط فہمی یا لاعلمی سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اس قرآنی لٹریچر کے مسائل حیات اور شئون زندگی کسی اگلے یا پچھلے دور کے ساتھ مخصوص ہیں، اور کم از کم آج کے ترقی یافتہ دور میں ان کیلئے کوئی گنجائش نہیں اور اس لئے کہا جاتا ہے کہ مذہب کو سیاسی اور معاشرتی میدان سے رخصت دیدی جائے، اور اس کی جگہ مناسب وقت لادینی تصور اور فکر پیدا کیا جائے کہ اس کے بغیر عالمی نظم اور عالمی سیاست و ادارت قائم نہیں ہو سکتی۔ اور اس دور میں عالمی حکومت قائم ہونا قومی خودکشی کے مرادف ہے، لیکن یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ عالمی زندگی، عالمی سیاست اور بین الاقوامی ادارت و نظم کے نام پر جب اس کے اجزائے ترکیبی یا اسباب و موانع کو گنایا جاتا ہے تو وہ سب کے سب وہی ہوتے ہیں جن کی طرف سب سے پہلے اسلام ہی نے توجہ دلائی اور اس نے اس نقشہ پر عالمی نظام کا اعلان کیا، مثلاً موانع کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ جبتک نسلی امتیازات، اقتصادی اونچ نیچ، سیاسی برتری اور کمتری، آقائی اور غلامی کا فرق، قومیتوں اور وطنیتوں کی تعصب آمیز حد بندیاں، قومی طبقات کا عدم توازن، رابطۂ عوام کی درمیانی رکاوٹیں ختم نہ کر دی جائیں گی عالمی نظام قائم نہیں ہو سکتا۔

---

[1] اس لئے اس اصل الاصول پر متفرع جزئیات زمانے کے تقاضوں کے ساتھ بدلتی رہیں گی اور یہ اصل الاصول ہمیشہ تک غیر متبدل رہے گی تاکہ اس میں سے ہر دور میں نئی نئی شاخیں پھوٹتی رہیں اور اپنا پھل دیتی رہیں۔ (طلوع اسلام)

سوال یہ ہے کہ ان موانع کو آپ کے سامنے پیش کس نے کیا؟ اگر اسلام نے اور بلاشبہ اس نے اور صرف اسی نے تو پھر یہ کہنا کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں اس کا پیش کردہ فکر کارآمد نہیں، کیا خود اپنے ہی منہ پر طمانچہ مارنا نہیں ہے؟ یا اسی طرح جب عالمی نظام کے اسباب و معدات گناتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ اخوۃ عامہ، ہمہ گیر مساوات، نسلی اکتائی اور پوری دنیا کا ایک عالمی کریڈ اور مسلک سامنے نہ لایا جائیگا اسوقت تک معاش کا عمومی توازن، بین الاقوامی شوریٰ، قوانین بین الملل، عالمی حکومت قائم نہیں ہو سکتی۔

سوال یہ ہے کہ ان اجزاء کا شعور آپ میں کہاں سے آیا؟ اگر اسلامی لٹریچر سے آیا ہے اور بلاشبہ صرف اسی سے آیا ہے کیونکہ اس سے پہلے بین الاقوامیت کا نعرہ لگا کر کسی ملت نے بھی کوئی مکمل بین الاقوامی پروگرام پیش نہیں کیا جس میں تمام شعبہ ہائے زندگی کی رعایت ہو تو پھر یہ کہنا کہ یہ لٹریچر آج کے دور میں کافی نہیں، خود اپنے ہی کو جھٹلانا نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اس کا مطلب اسکے سوا اور کیا نکلتا ہے کہ دنیا اس قانون کے عالمگیر اجزاء کو تو ماننا چاہتی ہے، مگر اس کی طرف منسوب کر کے ماننا نہیں چاہتی، گویا مانگ کر لینا نہیں چاہتی، چرا کر لانا چاہتی ہے، یا بالفاظ دیگر خدائی قانون اور مذہب کا نام رکھکر تسلیم کرنا نہیں چاہتی، بلکہ اپنا مفروضہ کہہ کر قبول کرنا چاہتی ہے، یہ انداز تسلیم اچھا ہو یا برا۔ مگر اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ آج کی دنیا زندگی کی جدوجہد اور شئونِ حیات میں ان اسلامی اصول سے کسی طرح بھی مستغنی نہیں ہے اور وہ طوعاً یا کرہاً ان کی طرف جھکنے کے سوا چارۂ کار نہیں دیکھتی۔

غور کیا جائے آج جبکہ سنجیدہ اور فکرمند غیر مسلم بھی اسلام کے معاشی اور سیاسی نظام کو اسے کسی خاص دور یا خاص فرقہ کیلئے مخصوص نہیں سمجھتے تو مسلم کیلئے اس کی کیا گنجائش نکل سکتی ہے کہ وہ اسے کسی دور کے ساتھ مخصوص سمجھنے کی جرأت کرے، نیز جبکہ عامۃً اقوام دنیا کی بین الاقوامی زندگی ہی اُن شئونِ حیات کے بغیر زندگی نہیں بنتی، گویا کسی قوم کو بھی اس بارہ میں مسلم بنے بغیر چارہ نہیں ہوتا اگر وہ بلا اعلان اور بلا عنوان کے ہی مسلم بنے تو خود مسلم قوم کی زندگی اس دستورِ حیات کے بغیر کیسے بن سکتی ہے اور کس طرح زندگی کہلائی جا سکے گی؟ مسلم قوم حسی یادگاروں سے زندہ نہیں رہ سکتی بلکہ اپنی انہی لٹریچری یادگاروں اور شئونِ معنوی ہی سے برقرار رہ سکتی ہے اس کی زندگی تاج محل آگرہ، لال قلعہ دہلی، قلعہ معلی لاہور، قطب کی لاٹ، چار مینار دکن، الحمرا اندلس، قصر عابدین مصر، سعودی محل جدہ، یا افغانستان و ایران اور روم و شام کی عالیشان عمارتوں یا تصویروں سے نہیں، کہ یہ بننے اور بگڑنے والی چیزیں ہیں، ان پر نہ اس قوم کی ماضی کی تعمیر ہوئی نہ مستقبل کی ہو سکتی ہے بلکہ یہ قوم اپنے اسی آسمانی لٹریچر اپنی قومی روایات اپنے اخلاق و روحانیات اور اپنی ہی روائتی شئونِ حیات سے بنی ہے اور انہی سے باقی رہے گی۔ اس قوم کا کام نہ نقالی سے چل سکتا ہے نہ مرعوبیت سے بلکہ دلیری کے ساتھ اپنی ہی بنیادوں پر اپنی تعمیر کرنے سے چل سکتا ہے، دوسروں کی بنیادوں پر اپنی تعمیر اٹھانے سے تعمیر اپنی نہیں کہلائی جا سکتی، بنیاد والوں کو ہر وقت حق ہے کہ وہ ملبہ اٹھا لینے کا مطالبہ کریں۔ اس صورت میں دست نگر قوم کی نہ بنیاد باقی رہتی ہے نہ عمارت۔

کسی قوم کی تنظیم اعلانوں یا تنظیم کی تمناؤں کے اظہار سے نہیں ہوتی بلکہ فکر و خیال کی ہم آہنگی اور یکسانی سے ہوتی ہے، اسلئے ایک صحیح اور فطری نصب العین کو عملی طور پر لیکر کھڑے ہو جانے ہی سے قوم منظم ہو سکتی ہے اور اس کیلئے قرآن کی بتائی ہوئی عالمگیر بنیادوں سے بڑھکر کوئی نصب العین نہیں ہو سکتا۔

—— (۱) اس کا عالمی نعرہ لا الٰہ الا اللہ ہے جو تمام انبیاء کا دین ہے، جس سے خود ساختہ اور محدود رنگ برنگ کے فرضی خداؤں، وطن، قوم، نسل، رنگ، مورت اور مجسمہ وغیرہ کی نفی ہو جاتی ہے اور حقیقی توحید سامنے آجاتی ہے جس پر اقوام عالم جمع ہو سکتی ہیں۔ تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم۔

—— (۲) اسکی عالمی سیاست کا اساسی مقام خلافت ہے جس سے ملوکیت شہنشاہی اور سیاسی آقائی وغلامی کا خاتمہ ہوجاتا ہے اور صحیح قسم کی جمہوریت اور اپنے ہمہ گیر اصول کے لحاظ سے پوری دنیا کی بین الاقوامیت قائم ہوجاتی ہے جس سے ٹکڑے ٹکڑے شدہ مملکتیں ایک کنٹرول میں آسکتی ہیں —— (۳) اس کا عالمی قانون ضابطۂ فطرت (کلام الٰہی) ہے جس سے قانون سازیوں کی تشویشات اور اس کے راستے سے آنیوالی قومی خودغرضیوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے اور باہمی آویزشوں سے تنگ آئی ہوئی پارٹیاں ایک نقطہ پر جمع ہوسکتی ہیں —— (۴) اس کی عالمی اجتماعیت کا مظاہرہ بیت اللہ کے اردگرد جمع ہوکر اپنی عقیدت ومحبت کا ثبوت دیتا ہے جس سے بین الاقوامی انتشار اور انفرادیتوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے اور بکھرے افرادِ عالم ایک مرکز پر جمع ہوسکتے ہیں —— (۵) اس کا عالمی مرکز کعبۂ محترم ہے جو ناف عالم اور مرکز حیات وہدایت ہے جس سے متضاد رخ باشندوں کی تضادِ حسی ختم ہوکر رُخ کی وحدت اور ہمہ گیری پیدا ہوجاتی ہے —— (۶) اس کی عالمی عبادت نماز ہے، جس میں نہ گھی تیل کی ضرورت ہے نہ کسی اسم وصورت کے مواجہہ کی اور نہ کسی خاص عمارت کی۔ خدا کی ساری زمین اس کے لئے مسجد ہے اور زمین کی جنس کا ہر حصہ اس کیلئے پاک وطہور ہے، بحر وبر اور فضاؤ ہوا میں ہر جگہ رہ کر یہ عبادت ادا کی جاسکتی ہے اور جس کی جماعتی منظم صورت سے تشتت فکر اور شرک فی المقصود کا خاتمہ ہوکر دنیا کے تمام منطقوں کے افراد ایک رخ پر ہوسکتے ہیں —— (۷) اس کی عالمی معاشرت کی روح اخوت ومساوات ہے جس سے بناوٹی امتیازات کا خاتمہ ہوکر ایک عالمگیر برادری، بھائی چارہ کی زندگی کی اساس بنیاد پڑجاتی ہے اور اخلاقی بین الاقوامیت پیدا ہوجاتی ہے —— (۸) اس کی عالمی اخلاقیت کا جوہر احترام انسانیت ہے جس سے چھوت چھات اور ذات پات کی پراگندگیوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے اور بلند وپست فرق مراتب کے ساتھ ایک سطح پر آجاتے ہیں۔

بہرحال اصول مذکورہ سے دیانت، سیاست، معاشرت اور اخلاقیت وغیرہ سے تمام ایسی حدبندیوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے جن کے رہتے ہوئے عالمی نظام قائم نہیں ہوسکتا تھا اور ایسے ہمہ گیر حسی اور معنوی نقطے فراہم ہوجاتے ہیں جن پر مذہبی اور غیر مذہبی قوتیں جمع ہوکر ایک قوم بن سکتی ہیں، پس اگر بین الاقومیت پسندوں کو مذہب سے اسلئے گریز ہے کہ عامۂ مذاہب کی حدبندیاں تمدن وتہذیب کی ہمہ گیری میں حارج ہیں، تو ان عالمگیر حدود مذہب کے بعد جو اسلام نے پیش کی ہیں یہ عذر باقی نہیں رہتا۔ اگر خدا سے بغاوت اور کنارہ کشی مقصود ہو تو اس عذر لنگ کا پردہ محض دھوکہ دہی ہوکر رہ جاتا ہے البتہ سنجیدہ دنیا کے نزدیک کبھی باوقعت اور درخور اعتنا نہیں ہوسکتا، تاہم آج جبکہ دنیا کی اکثریت طوعاً یا کرہاً خودبخود ان اصول کی طرف آرہی ہے خواہ مذہب پسندی کے رنگ اور اعتقاد وعقیدت کے انداز سے نہ سہی سیاسی اور تمدنی انداز ہی سے سہی۔ تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ متعصب اقوام کی خاطر انھیں دنیا کے سامنے پیش کرنے سے شرمایا جائے، یا اگر دنیا لادینی فکر سے بین الاقوامیت کی طرف بڑھ رہی ہے مگر انہی اصول کی مدد سے، تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ دینی فکر سے بین الاقوامیت کی دعوت دینے میں جھجک محسوس کی جائے جن اصول کا اصل منشاء اور مقصود ہے، بلکہ عام انسانیت کی بہی خواہی اور ہمدردی کا تقاضا ہے کہ دنیا کی بین الاقوامیت میں سے لادینی تصور کو خارج کرنے کی پوری سعی کی جائے کیونکہ اس سے لادینی تصور کی بین الاقوامیت قطع نظر اس سے کہ لادینی جمہوریت اسلام کے اور ہر مذہب کے منشاء کے سرتاسر خلاف ہے، تجربہ کے لحاظ سے بھی دنیا کے لئے مہلک اور مخرب ثابت ہورہی ہے۔ چنانچہ جب سے یہ لادینی تصور کی بین الاقوامیت نمودار ہوئی ہے، جب ہی سے دنیا کی بین الاقوامی تخریب ہلاکت بھی روز بروز قریب ہوتی جارہی ہے، عالم سے عالمی امن وسکون رخصت ہوچکا ہے، دلوں کا چین مٹ چکا ہے اور اعتماد باہمی فنا ہوگیا ہے جو مدنیت صحیحہ کی روح ہے۔ بین الاقوامی تحریک لادینی کے دخل سے بین الاقوامی فساد بن کر رہ گئی ہے جس سے کسی قوم میں بھی سکھ اور چین باقی

نہیں رہا۔ درآں حالیکہ بین الاقوامیت کی ضرورت پوری دنیا سے فساد مٹانے کیلئے تھی نہ کہ شر و فساد پھیلانے کیلئے، اسلئے صالح بین الاقوامیت بنانے کا ذریعہ دین کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس غیر لادینی نظامِ ملت کے ہوتے ہوئے حقوقِ شہریت کے تحفظ اور مظلوموں کی بے لاگ حمایت کے کسی مشترکہ پلیٹ فارم کی نفی مقصود نہیں اور نہ یہ دینی تنظیم اس مخلوط تنظیم کے منافی ہے، بلکہ ایسی مخلوط تمدنی تنظیموں کے لئے یہ دینی تنظیم بجائے منافی ہونے کے معین ثابت ہوگی، کیونکہ جب تک دیانت و راست بازی کے ساتھ قلوب میں اخلاص اور مظلوموں کی حقیقی ہمدردی نہ ہوگی مشترک جماعتیں بے غرضی سے کام نہیں کر سکتیں اور یہ ہمدردی بغیر خدا پرستی اور نظامِ دین کی تکمیل کے ناممکن ہے، اسلئے یہ شہری یا مخلوط تنظیم جس کا حاصل صرف شہریت و تمدن کے حقوق کی نگہداشت اور مشترکہ آواز سے ان کے مطالبہ میں قوت پیدا کرتا ہے، اس دینی تنظیم ہی سے سچائی کی روح حاصل کر سکتی ہے۔

بہرحال امت کے سامنے دینی معیار سے نظمِ ملت کا پروگرام پیش کیا جانا اور اسے لیکر عملاً چلنا ازبس ضروری ہے، جس کی غرض و غایت اسلام کے بین الاقوامی پروگرام پر خود قائم ہو کر دلوں کی سچائی اور خلوص سے اسے دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے، اسلام نے اپنی تنظیم عصبیت پر نہیں کی بلکہ فطرت پر کی ہے، اسلئے قدرتاً نہ تو اس میں تنگی ہے نہ تعصب اور ظاہر ہے کہ عالمگیر پروگرام پیش کرنے والا مذہب آلودۂ تعصب و تنگی ہو بھی نہیں سکتا۔ اسلئے اقوام کی طرف جسقدر اس نے سالمیت و رواداری کا ہاتھ بڑھایا ہے، اتنا یا اس کا عشر عشیر بھی کسی ملت نے نہیں بڑھایا بلکہ وہ ملتیں جن کا سرمایہ ہی محدود نظریات اور تنگ تنگ حد بندیاں ہوں عمومی رواداری اور بین الاقوامی سالمیت کا ثبوت دے بھی نہیں سکتیں۔

اندریں صورت آج کے دور میں اسلام کو دوسرے مذہب پر قیاس کر کے یہ کہدینا کہ مذہب ایک شخصی اور انفرادی تعلق ہے جو بندہ اور خدا کے درمیان قائم ہوتا ہے اسے سیاست و معاشرت سے کوئی واسطہ نہیں، بلاشبہ اسلام کی بنیادوں کی تکذیب کر دینا ہے، مذہب و سیاست کی یہ تفریق ان مذاہب پر راست آسکتی ہے جو حقیقتاً اجتماعیت سے خالی رہ کر صرف اعتقاد و عبادت تک محدود ہیں لیکن جو مذہب معاشرت، سیاست سے لیکر عبادت تک اجتماعیت گیری کا رنگ لئے ہوئے ہو، اور جس نے دنیا کی سیاست میں عالمگیری کا رنگ بھرا ہو اسے انفرادیت کے مذہبوں پر قیاس کر کے محض عبادت کی حدود سمجھ لینا اور اسے صرف بندہ اور خدا کا درمیانی رشتہ کہہ کر پکارنا اسلام سے ناواقفیت یا محض مصلحت اندیشی کی علامت ہے جیسا کہ اس کے برعکس اسلام کو لادینی اجتماعیتوں پر قیاس کر کے اسے محض ایک بین الاقوامی تحریک سمجھ لینا جسمیں بندہ اور خدا کا کوئی درمیانی رشتہ ملحوظ نہ ہو، افراط و تفریط اور اس کی تعلیمات سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔

بہرحال ہماری اجتماعیت و تنظیم بین الاسلامی بھی ہے اور بین الاقوامی بھی ہے اور اس کے تحت بین الوطنی بھی ہے لیکن ان سب کی روح وہی اخلاقیت و روحانیت ہے جو اللہ کے قانون میں مذکور ہوتی ہے اسلئے بقا و ترقی اور تعمیر و تنظیم کی سب سے پہلی اور سب سے آخری منزل مسلمانوں کیلئے قرآن کی تعلیم کو رائج کرنا اور اس کی طرف دنیا کو دعوت دینا ہے۔ امام مالکؒ نے اس بارہ میں اصل حقیقت سے پردہ اٹھا دیا ہے فرمایا ہے: لا یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا۔ (اس امت کے آخر طبقہ کی اصلاح بھی اسی چیز سے ہو سکتی ہے جس سے امت کے اول طبقہ کی اصلاح ہوئی (اور وہ بلاشبہ قرآن ہے)۔ پس اگر اس دورِ لادینیت میں مسلم قوم کو اپنے حال اور مستقبل کی طرف سے مطمئن ہونا ہے تو رسوم سے بالاتر ہو کر وہ اس لٹریچر کو سنبھالے جس نے ابتداءً اسے جنم دیا تھا اور جو ماضی میں اسکی تشکیل اور تنظیم کا بے خطا معیار ثابت ہوا ہے، یعنی "القرآن العظیم" وہی آج بھی اسکی بقا و ترقی اور وحدت و تنظیم کا ضامن ہو سکتا ہے اور آج کی پارٹیوں کی تخریبی مساعی کے ہجوم میں بھی اگر اس کی روشنی ہمارے اندر اور باہر ہے تو اسلامی تہذیب و تمدن کا بال بھی بیکا نہیں ہو سکتا۔ وباللہ التوفیق۔

تواتر دور "دور" سے مراد ایک حافظ قرآن کا دوسرے حافظ قرآن کو اپنے حفظ کی جانچ اور مشق و مہارت کے لئے قرآن کا زبانی سنانا ہے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال حضرت جبرئیل علیہ السلام کو قرآن سناتے تھے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو سناتے تھے جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال دو بار آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دور فرمایا، یہ مشہور روایت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں صحاح و غیر صحاح کی متعدد کتابوں میں موجود ہے۔

پھر صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سناتے تھے اور ایک صحابی دوسرے صحابی کو سُناتے تھے۔ اس کا سلسلہ آج تک جاری ہے کہ حفاظ ایک دوسرے کو سنایا کرتے ہیں۔

تنہا بھی حفاظ روزانہ قرآن کا دور کرتے ہیں صرف اپنے حفظ کو باقی رکھنے کے لئے۔ دور کے وقت معانی و مطالب کا خیال رکھنا ضروری نہیں ہوتا۔ صرف یاد کی مشق مقصود ہوتی ہے۔ اور یہ چیز ایسی ہے جو حفاظ کیلئے ضروری ہے۔

تواتر تدبر قرآن مجید میں آیا ہے

افلا یتدبرون القرآن ام علیٰ قلوب اقفالها (ــــ)

کیوں نہیں لوگ قرآن میں تدبر یعنی غور و فکر کرتے ؟ کیا دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔

اسی لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت ہی سے ہر مسلم تلاوتِ قرآن تدبر یعنی اس کے معنی و مفہوم کو سمجھتے ہوئے غور و فکر کے ساتھ کرتا تھا صحابہؓ کے بعد تابعین اور ان کے بعد اتباع تابعین، پھر اتباع کے اتباع پھر ان کے اتباع۔ غرض چار پانچ صدی تک مسلسل ہر مسلم تلاوتِ قرآن تدبر و تفکر کے ساتھ ہی کرتا تھا۔ اور اس وقت تک ہر مسلم اتنی عربی جاننا اپنے پر فرض سمجھتا تھا کہ وہ قرآن مجید کی آیات کریمہ کے معانی و مفاہیم کو عموماً سمجھ سکے عجمی مسلمان بھی اتنی عربی ضرور سیکھ لیتے تھے۔

اس کے بعد منافقین عجم نے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ جب تک قرآنی آیات و سُوَر کے متعلق یہ علم پوری طرح حاصل نہ ہو کہ کون آیت اور کون سورت پہلے اتری ہے اور کون بعد کو۔ کون مکی ہے اور کون مدنی، کون ناسخ ہے اور کون منسوخ، کون محکم ہے اور کون متشابہ کون عام ہے اور کون خاص، کس آیت کی کونسی شان نزول ہے اور کس آیت کی تفسیر حدیث میں کیا آئی ہے۔ وغیر ذلک۔ اس وقت تک ان لوگوں کے لئے جو ان باتوں سے پوری طرح واقف نہیں ہیں قرآن میں بطور خود تدبر و تفکر کرنا حرام ہے۔ بس جو اگلے مفسرین و فقہاء و مجتہدین جس آیت کے جو معنی لکھ گئے ہیں اسی کے مطابق سمجھنا چاہئے اور اسی پر ایمان رکھنا چاہئے۔ اگلوں کی رائے کے خلاف رائے قائم کرنا چونکہ تفسیر بالرای ہے اسلئے حرام ہے۔ غرض اگلے مفسرین جن کے امام اور استاد الکل ابو جعفر محمد ابن جریر طبری ہیں جو ایک شیعہ مفسر تھے جن کے بارے میں حافظ ابو الفضل احمد بن علی البیکندی متوفی ۵۰۴ھ جیسا محدث اور جلیل القدر امام الحدیث والرجال جن کے متعلق انساب سمعانی ورق ۵، ۳۰ میں لکھا ہے کہ لم یکن لہ نظیر فی زمانہ اسناداً وحفظاً ودرایۃ بالحدیث وضبطاً و اتقاناً۔ اور جن پر کسی شخص کی کوئی جرح نہیں ہے، انھوں نے ان ابن جریر مفسر و مورخ مشہور کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ کان

یضع للروافض۔ یعنی ابن جریر طبری رافضیوں کی حمایت میں حدیثیں گھڑا کرتے تھے اور انھیں کے پیچھے پیچھے تقریباً سارے مفسرین چلتے رہے اور انھیں کی پیش کردہ روایتوں کے مطابق تفسیریں لکھتے رہے۔ الا ماشاء اللہ۔ اور ابن جریر سے بھی پہلے سدی وکلبی وضحاک وجبیر ہی جیسے لوگوں سے بچانوے فی صدی تفسیری روایتیں ہیں اور باوجود اس کے کہ ان میں سے ہر ایک کے مجروح اور سخت مجروح ہونے پر ائمہ حدیث ورجال کا اتفاق ہے مگر ان کو وضاع یا کذاب یا کم از کم منکر الحدیث ومتروک قرار دیتے ہوئے بھی تفسیری حدیثیں سب کے سب انہی جیسوں سے لیتے رہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۲۴ ترجمہ جبیر بن سعید الازدی ابو القاسم البلخی (متوفی سنہ سے سنہ تک کے اندر) میں لکھتے ہیں:۔

قال ابو قدامہ السرخسی قال یحیی القطان تساھلوا فی اخذ التفسیر عن قوم لا یوثقونھم فی الحدیث ثم ذکر الضحاک وجویبر او محمد بن السائب (الکلبی) وقال ھولاء لا یحمل حدیثھم ویکتب التفسیر عنھم۔

یعنی امام ابو قدامہ سرخسی نے فرمایا کہ امام الحدیث یحیی القطان نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں نے ایسی جماعت سے تفسیر لینے میں تساہل برتا جنکو حدیثوں کے موقع پر قابل وثوق نہیں سمجھتے پھر ضحاک اور جویبر اور محمد بن السائب الکلبی کا ذکر فرمایا اور کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی حدیث تو برداشت نہیں کی جاتی مگر ان کی تفسیر لکھی جاتی ہے۔

غرض یہ عالم ہے دنیائے تفسیر کا، اور تقریباً چھ سات سو برس سے یا اس سے کچھ بعد سے ہمارے علماء آج تک یہی کہتے آرہے ہیں، تم خود اپنی عقل اور اپنی سمجھ سے کام نہ لو، بس جو اگلے مفسرین لکھ گئے ہیں اسی پر ایمان رکھو اور اسی کو قرآن کا صحیح معنی ومفہوم مانتے رہو۔ چاہے وہ تفسیر وشان نزول کی روایت قرآنی آیت کے سیاق وسباق کے مطابق ہو یا نہ ہو۔ غرض اس گمراہ کن پروپیگنڈے کے اثر سے اگرچہ بہت لوگ قرآنی آیات میں تدبر وتفکر کا وہ آزادانہ طریقہ جو خیر القرون میں ہر مسلم کا تھا اس کو بہت حد تک چھوڑ بیٹھے مگر انھیں تفسیری روایتوں کے حدود میں رہ کر تدبر اور تفکر ضرور کرتے رہے اور جہاں کسی روایت کو ان کی دیانت نے قبول نہ کیا تو پھر وہ روایت لکھکر اس کی تردید بھی کر دیا کرتے تھے۔ مثلاً سورہ اعراف کے آخری رکوع کی پہلی آیت پڑھئے۔ اور فلما تغشٰھا حملت حملا خفیفا فمرت بہ کی تفسیر وشان نزول کی روایت ملاحظہ فرمائیے اور پھر قاضی بیضاوی نے جو اپنی کتاب تفسیر بیضاوی میں اس روایت کی تردید کی ہے اس کو دیکھئے اور اس کے بعد محشی بیضاوی نے جو ان کی تردید پر خفگی ظاہر کی ہے اور اس روایت کو صرف اس سبب سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ روایت فلاں فلاں کتابوں میں مذکور ہے، اس پر بھی نگاہ عبرت ڈالئے۔

مختصر یہ کہ فرقہ بندی اور روایت پرستی کا جب دور دورہ ہوگیا تو پھر تدبر فی القرآن کا رخ بھی بدل گیا اور تدبر کا مقصد صرف اپنے فرقے کی حمایت یا روایت پرستی کے صنم خانے کی کھوکھلی دیوار کی پشتیبانی ہی رہ گئی مگر صحیح یا غلط تدبر فی القرآن کرنے والے ہر زمانے میں رہے۔ عہد نبوی سے لیکر اس وقت تک کوئی ایسا دن نہیں پیش کیا جاسکتا جس میں کوئی نہ کوئی تدبر فی القرآن نہ کر رہا ہو۔ اور وہ اپنے نزدیک صحیح ہی معنی میں تدبر نہ کر رہا ہو۔ چاہے کسی کا تدبر درحقیقت غلط ہی کیوں نہ ہو۔ غرض اس تدبر فی القرآن کا تواتر بھی مذکورہ بالا تواترات کی طرح آج تک عہد نبوی سے اسوقت تک بلا انقطاع چلا آرہا ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

تواتر استنباط احکام شرعی میں سے وہ احکام جن کا تعلق حقوق و معاملات سے ہے، اس کے متعلق چونکہ آئے دن بعض ایسی ایسی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں جو پہلے کبھی پیش نہیں آئی تھیں۔ یا اگر عقلاً پیش آئی بھی ہوں تو اس کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اس قسم کی کون صورت پہلے عہد نبوی یا عہد خلفائے راشدین میں بھی پیش آئی تھی اور اس وقت اس صورت کے بارے میں یہ فتویٰ صادر ہوا تھا اور ایسی کوئی روایت نہیں ملتی یا ملتی تو ہے مگر ناقابل قبول ذرائع سے تو یقیناً اس وقت کے مدبرین فی القرآن اور مفکرین فی الکتاب کا یہ فرض ہوگا کہ وہ قرآنی آیات میں تدبر کرکے اس صورت کے متعلق کوئی حکم منشائے قرآنی کے مطابق استنباط کریں۔ عہد نبوی سے لیکر ائمہ مجتہدین تک۔ پھر مجتہدین کے تلامذہ اور پھر ان کے تلامذہ یہانتک کہ اسوقت تک جب کوئی نیا مسئلہ سامنے آجاتا ہے جس کی کوئی نظیر سابق نہیں ملتی تو باوجود اپنی کورانہ تقلید کے حضرات مقلدین بھی استنباط مسائل پر مجبور ہوجاتے ہیں اور قرآنی آیات میں تدبر کرکے استنباط حکم کی سعی کرتے ہیں۔ مثلاً بینک کا سود، انشورنس، وغیرہ کہ ان چیزوں کے متعلق سوالات کا جواب ہدایہ و شرح وقایہ یا بخاری و مسلم میں صراحۃً نہیں ملنے کا۔ لامحالہ استنباط ہی کرنا پڑے گا اور دینی احکام کا استنباط قرآن مبین ہی سے ہوسکتا ہے جو اصل قانون الٰہی ہے۔ اس کے بعد حدیثوں سے عہد نبوی و عہد خلفائے راشدین و زمانہ مجتہدین وغیرہ کی نظیریں زیر غور آئیں گی۔ البتہ جو لوگ اصل قانون اور نظائر کا فرق نہیں سمجھتے وہ قرآن مجید کو معزول یا منسوخ یا معطل قرار دے کر صرف روایات و اقوال ہی سے استنباط بھی کریں یہ اور بات ہے۔ مگر وہ بھی مجبور ہیں کہ صحیح یا غلط اپنے استنباط کو قرآن سے بھی مستند و مؤید قرار دینے کے لئے دو ایک آیت بھی ضرور پیش کردیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مبین کے بغیر ان کا کوئی دینی استنباط والا حکم قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

غرض تدبر فی القرآن کی طرح قرآن سے استنباط احکام کا تواتر بھی عہد نبوی سے آج تک مسلسل بلا انقطاع چلا آرہا ہے۔ اس پونے چودہ سو برس کے اندر دنیائے اسلام میں کوئی ایسا دن نہیں گذرا جس میں کوئی نہ کوئی عالم دین کسی نہ کسی دینی مسئلے میں قرآن سے استنباط نہ کررہا ہو۔

ماحصل تواتر اسنادی کی تینوں قسموں کو الگ الگ ایک ایک قسم شمار کیجئے تو یہ سولہ قسموں کے تواترات ہوئے اور ہر تواتر ایسا مسلسل اور غیر منقطع جو پونے چودہ سو برس سے آج تک اس طرح چلا آرہا ہے کہ اتنی طویل مدت کا کوئی دن ایسا نہیں پیش کیا جاسکتا جس میں ان تواترات شانزدہ گانہ میں سے کسی ایک تواتر کو بھی منقطع کہا جاسکے۔ کیا قرآن مجید کے سوا دنیا کی کسی اور چیز میں اس قسم کا تواتر تام و کامل و مکمل اپنے شانزدہ گانہ اقسام کے ساتھ دکھایا جاسکتا ہے؟ لا واللہ!

میں تواتر کو آغاز بحث میں "لاریبیت" کی سرخی کے ماتحت کسی گذشتہ چیز یا گذشتہ بات یا کسی ایسی چیز کے متعلق جو بہت زمانے سے چلی آرہی ہے یقین قطعیت حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ثابت کرچکا ہوں۔ جو شخص کوئی بات نہ جانتا ہو وہ دوسروں سے پوچھ کر یقین حاصل کرے اس کا حکم خود قرآن مبین میں موجود ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون "اگر تم نہ جانتے ہو تو جو لوگ یاد رکھنے والے ہیں (یا علم رکھنے والے ہیں) ان سے پوچھ لو۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ دس واقف کار جس بات کو یک زبان ہو کر بیان کریں وہ بات یقین کر لینے کے قابل ہے۔ تو پھر جن باتوں کو ساری دنیا متفق اللفظ ہو کر بیان کر رہی ہے وہ باتیں کیوں موجب یقین نہ ہوں گی۔

تواتر مصنوعی تواتر کی ایک قسم مصنوعی بھی ہے یعنی کسی ایک جماعت نے اپنے کسی خاص مقصد کے ماتحت ایک جھوٹی بات گھڑی اور باہمی صلاح و مشورہ کر کے اس جماعت کے افراد مختلف دور و نزدیک مقامات میں پھیل کر اس جھوٹی بات کو سچی قرار دے کر مشہور کرنے لگے اور پھر جن لوگوں نے اس جماعت کے افراد سے سنا وہ لگے اس کو دوسروں سے بیان کرنے۔ یہانتک کہ کچھ دنوں کے بعد وہ جھوٹی بات ایک سچی خبر متواتر بن کر دنیا میں رفتہ رفتہ مشتہر ہو گئی۔ عجمی ملحدین و منافقین نے ایک زبردست سازش کر کے اس طرح کتنی جھوٹی حدیثیں گھڑ گھڑ کر پھیلائیں اور باوجود محدثین کی کانی چھان بین کے آج تک ان کے مجلدات میں کتنی موضوع و مکذوب حدیثیں موجود ہیں اور انھیں حدیثوں کی بدولت آج امت میں اسقدر دینی فرقہ بندیاں اور اختلافات موجود ہیں۔

اسی قسم کے مصنوعی متواترات آپ کو روایت پرستوں اور فرقہ بندوں میں بہت ملیں گے۔ مگر ان مصنوعی متواترات کا اگر آپ تجزیہ کریں گے تو ان کے تواتر کی حقیقت کھل جائے گی۔ اور ان کا مصنوعی ہونا آپ پر آفتاب نیمروز کی طرح روشن ہو جائے گا۔ یعنی اس خبر متواتر کے تواتر اسناد و تواتر مسند و تواتر مسلسل کو دیکھئے، اس کے تواتر زمانی و تواتر مکانی کو دیکھئے۔ صرف انھیں پانچ تواتروں پر نگاہ نقد و نظر ڈالنے کے جد ہر متواتر مصنوعی اور ہر تواتر غلط کی حقیقت معلوم ہو جائے گی اور بدیہی قرائن بھی ایسے جھوٹے متواترات کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ اگر غلو و تعصب اور ضد اور ہٹ دھرمی سے الگ ہو کر دیانتہ ان مصنوعی متواترات کو دیکھا جائے اور ان کے تجزیہ کے بعد قرائن کی روشنی میں حقیقت کی جستجو کی جائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ حقیقت امر کا پتہ نہ ملے۔

مثلاً جمع قرآن ہی کا واقعہ لے لیجئے۔ عوام میں مشہور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جامع قرآن تھے۔ یہانتک کہ جمعہ و عیدین کے خطبوں میں عام طور سے حضرت عثمانؓ کے نام مبارک کے ساتھ جامع القرآن کا لفظ پڑھا جاتا ہے اور جاہل ہی خطیب نہیں بلکہ علمائے کرام بھی بغیر کسی جھجک کے دعلی جامع القرآن امیر المؤمنین عثمان بن عفان خطبوں میں پڑھا کرتے ہیں۔

مگر جب علماء کو چھیڑیئے تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں اصل جامع قرآن تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں حضرت عثمانؓ نے تو اسی عہد صدیقی کے جمع کئے ہوئے قرآن کی متعدد نقلیں کرا کے مختلف ملکوں میں بھجوا دی تھیں اور ایک نقل اپنے پاس رکھ لی تھی جیسا کہ امام بخاری نے اپنی کتاب میں درج فرمایا ہے اور ترمذی و نسائی وغیرہ میں بھی ہے۔

عوام نے حضرت عثمانؓ کو جامع قرآن مشہور کر رکھا ہے۔

غرض حضرت عثمانؓ کے جامع قرآن ہونے کا جو تواتر عوام میں ہے اس کو تو علماء خود ہی غلط کہتے ہیں۔ باقی رہا حضرت صدیقؓ کا جامع قرآن ہونا جو علماء و محدثین و مورخین کے نزدیک متواتر ہے اب اس کے تواتر کا حال سنئے۔ روایت بخاری وغیرہ میں یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قرآن جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا انھوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ قرآن کو جمع کرا لیجئے، انھوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کہا اور انھوں نے قرآن جمع کرنا شروع کر دیا جس جس کے پاس

جس جس چیز پر لکھا ہوا قرآن ان کو ملا اور پھر صدور الرجال سے بھی یعنی لوگوں کو جو زبانی یاد تھا۔ سورۂ توبہ کی ایک آیت خزیمہ یا ابو خزیمہ کے پاس ملی۔

جمع قرآن کا اتنا بڑا اہم واقعہ جس کے لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حسب روایت بخاری وغیرہ بمشکل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بار بار اصرار اور تقاضے کے بعد تیار ہوئے اور پھر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی جس کے لئے بمشکل آمادہ ہوئے۔ اور دونوں یہ محسوس کر رہے تھے کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ کام ہم کیونکر کریں۔ یقیناً دوسرے اکابر صحابہ بھی ضرور صلاح مشورہ میں شریک ہوں گے اور رائے قائم ہو جانے کے بعد جس صحابی کے پاس جتنا بھی کسی چیز پر لکھا ہوا ہوگا وہ اس کو لیکر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آیا ہوگا جس کو جتنا یاد ہوگا اس نے ان کو سنایا ہوگا غرض اگر یہ واقعہ جو بخاری وغیرہ میں جمع صدیقی کا مذکور ہے صحیح ہوتا تو یقیناً ہر صحابی اور ہر صحابیہ اس سے واقف ہوتے یہانتک کہ مراہق بچے بھی اس سے بے خبر نہ ہوتے مگر اس واقعے کی روایت نہ حضرت عمرؓ سے ہے نہ حضرت صدیق اکبرؓ سے، نہ خزیمہ سے نہ ابو خزیمہ سے نہ کسی اور صحابی سے۔ بس صرف زید بن ثابت ہی سے یہ واقعہ روایت کیا جاتا ہے، اور کون روایت کرتا ہے؟ عبید بن سباق جو زید بن ثابت کی وفات کے وقت دو برس سے زیادہ کا کسی طرح بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا اور صرف اسی عبید بن سباق سے تنہا ابن شہاب زہری روایت کرتے ہیں۔

اب دیکھئے واقعہ عہد صدیقی کا۔ اور اتنا بڑا اہم واقعہ مگر آغاز عہد صدیقی سے سو برس تک کے اندر اس واقعے کی اطلاع صرف زید بن ثابت کو تھی اور ان سے صرف ایک دو برس کے بچے نے سنا تھا جس کو اس نے برابر پوشیدہ رکھا کبھی کسی سے نہ کہا۔ یہانتک کہ اپنے بیٹے سے بھی بیان نہ کیا۔ کہا تو اپنے سنِ کہولت میں صرف ابن شہاب زہری سے۔

کوئی صاحب انصاف و دیانت بتائے کہ جو واقعہ ایسا اہم ہو جس کی اطلاع ساری دنیائے اسلام کو ہونی چاہئے اس کی خبر سو برس تک کی طویل مدت میں صرف ایک ہی شخص کو ہو اور اس سے صرف دو برس کے ایک بچے کو ملے اور وہ اپنے سنِ کہولت میں صرف ایک ہی شخص سے بیان کرے؟ کیا ایسی خبر کبھی متواتر کہی جا سکتی ہے؟ چاہے اس کے بعد وہ خبر دنیا بھر میں مشہور کر کے اس پر تواتر کا لبادہ اوڑھا ہی کیوں نہ دیا جائے۔

ہاں اس بات کو متواتر کہا جا سکتا ہے کہ یہ خبر صحیح بخاری، ترمذی، نسائی اور مسند احمد وغیرہ میں ہے۔ چاہے یہ روایت بذات خود موضوع ہو یا جیسی بھی ہو۔

تو صرف بخاری وغیرہ کتب میں اس روایت کا مذکور ہونا اگر قطعیت تواتر رکھتا ہے تو اس سے واقعہ جمع صدیقی تو متواتر نہیں کہا جا سکتا۔

کیا طلسم ہوشربا میں جو قصے جادوگروں کے مذکور ہیں ان قصوں کا طلسم ہوشربا میں مذکور و موجود ہونا قطعی نہیں ہے؟ اور

لہ دیکھو کتاب "احادیث جمع قرآن اور ان کی بے لوث تنقید"۔

اس کے پڑھنے والوں میں متواتر نہیں ہے؟ مگر کون ذی عقل وصاحب ہوش ہے جو ان قصوں کو بھی قطعی ومتواتر کہے۔

تو حضرت عمرؓ کا حضرت صدیق اکبرؓ کو جمع قرآن پر آمادہ کرنا ان دونوں بزرگواروں کے زمانے میں متواتر نہیں صرف ابوخزیمہ یا خزیمہ کے پاس آخر سورہ توبہ کا ملنا ان کے زمانے میں متواتر نہیں۔ غرض تواتر زمانی کا بالکل فقدان۔ اسی طرح اہل مدینہ زید بن ثابتؓ کے سوا سب کے سب اس سے بے خبر اس لئے تواتر مکانی بھی سرے سے معدوم۔ حضرت عمر فاروقؓ وحضرت صدیق اکبرؓ وحضرت زید بن ثابت وحضرت ابوخزیمہ وحضرت خزیمہ رضی اللہ عنہم یعنی مسند الیہم کا وجود تو ضرور متواتر ہے مگر جس جس بات کی اسناد ان بزرگوں کی طرف اس روایت میں کی گئی ہے نہ وہ مسند باتیں متواتر نہ ان کی اسناد متواتر۔ اور ظاہر ہے کہ صرف مسند الیہ کے متواتر ہونے سے کسی بات کو متواتر نہیں کہا جا سکتا۔ ورنہ ساری جھوٹی سچی حدیثیں متواتر ہو جائیں گی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ان حدیثوں کے مسند الیہ ہیں ان کی ذات مطہر یقیناً متواتر اور قطعی ہے۔ اسی لئے کوئی محدث بھی اس کا قائل نہیں کہ ساری حدیثیں متواتر ہیں۔ بلکہ وہ تواتر میں صرف تواتر اسناد کا اعتبار کرتے ہیں اور وہی اس جمع قرآن والی روایت میں نہیں ہے۔

غرض اس طرح ہر مصنوعی متواتر کی جانچ کی جائے تو نہایت صفائی اور غایت وضاحت کے ساتھ ان تمام مصنوعی متواترات کا طلسم تواتر کا مصنوعی رنگ اڑا کر اس کے کذب وافترا کی اصل حقیقت نمایاں کر دی جا سکتی ہے۔ یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ ضرورت ہے تو صرف حق طلبی اور دیانت کی ورنہ غلو اور تعصب سے ضرور ہٹ دھرمی پیدا ہو جاتی ہے اور جب طبیعت میں ہٹ دھرمی آگئی تو پھر انسان دن کو رات اور رات کو دن کہنے پر اتر آتا ہے۔

الحمد للہ کہ قرآن مجید کا پہلا دعوی جو لاریبیت کا ہے، میں اس کو نہایت واضح طور سے ثابت کر چکا وما توفیقی الا باللہ

اب قرآن مجید کے دوسرے دعوے پر نگاہ انصاف ڈالئے۔

قرآن مجید کا دوسرا دعوی

لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید

باطل نہ اس کے آگے سے آسکتا ہے نہ اس کے پیچھے سے۔ یہ حکمت وحمد کے مالک کی طرف سے اتری ہوئی کتاب ہے۔

یہ دعوی دراصل اس بات سے متعلق ہے کہ اس کتاب میں کسی طرح کی تحریف وتصحیف اور کسی قسم کی تغیر وتبدیل نہیں کی جا سکتی کیونکہ اگر کوئی لفظ یا کوئی عبارت کسی لفظ سے پہلے کسی آیت میں بڑھا دی گئی تو یقیناً بڑھانے والا کسی ایسے مفہوم کے پیدا کرنے کیلئے وہ لفظ یا وہ عبارت بڑھائے گا جو مفہوم قرآن پاک کے مقتضائے کلام کے مخالف ہے۔ یا کم سے کم قرآن مبین کا وہ منشا نہیں ہے۔ اور جو بات قرآن کی نہیں ہے اگر قرآن میں داخل کی جائے گی تو وہ یقیناً باطل ہی ہوگی۔

قرآن مجید کی ہر آیت اور اس کا ہر لفظ قرآن ہے۔ جیسا کہ خود قرآن مبین ہی میں ہے۔ وما تتلوا منہ من قرآن ( ) اور جو قرآن بھی تم اس کتاب میں سے تلاوت کرتے ہو، یعنی قرآن کی ہر آیت اور اس کا ہر لفظ قرآن ہے اور ہر لفظ اور ہر حرف منزل من اللہ ہے

تنزیل من حکیم حمید ہے۔ اس لئے اس کے کسی حرف کے بھی آگے پیچھے سے باطل نہیں آسکتا۔ اگر کسی حرف پر ایک نقطہ بھی بڑھ گیا تو وہ نقطہ باطل ہوا۔ اسلئے ایک نقطہ کا بھی اضافہ نہیں ہوسکتا۔ کسی حرف یا کسی کلمے یا کسی عبارت کا اضافہ کیا ہوسکتا ہے۔

اسی طرح کوئی عبارت یا کوئی لفظ یا کوئی حرف بلکہ ایک نقطہ بھی اگر اپنی جگہ سے ہٹا دیا گیا اور نکال دیا گیا، یا آگے پیچھے کر دیا گیا تو یقیناً ایسا کرنے والا کسی ایسے ہی مفہوم پیدا کرنے کے لئے کریگا جو مفہوم قرآن کا منشا نہیں ہے۔ پھر بھی قرآن سے زبردستی نکالا جائے تو یقیناً باطل ہی ہوگا اس لئے لا یاتیہ الباطل کا زبردست اعلان ببانگ دہل پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ جس طرح قرآن مبین میں کسی طرح کی زیادتی نہیں ہوسکتی اسی طرح کسی طرح کی کمی اور کسی طرح کی تغیر و تبدیل بھی نہیں ہوسکتی۔

اس دعوے کا واضح ثبوت

حقیقت یہ ہے یہ دعویٰ ایک بڑا اہم دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا کر بھی نہیں سکتا۔ کون نہیں جانتا کہ یہود و نصاریٰ نے توریت و انجیل و زبور کو کس طرح مسخ کر کے رکھدیا وید اور اوستا کا حال بھی تاریخ کے ماہرین سے پوشیدہ نہیں مسلمانوں کے یہاں بھی ان کی حدیثیں منافقین و ملاحدہ کے دستبرد سے بچ نہیں سکیں۔ محدثین کی کافی چھان بین کے باوجود ان کے مجلدات موضوع و مشتبہ حدیثوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ مفسدین نے مستقل کتابیں تصنیف کر کر کے بعض ائمہ کی طرف منسوب کر دیں۔ کتنے مفسدین کا مستقل کام ہی یہی تھا کہ جلد بندی و خوش نویسی کا پیشہ اختیار کر کے لوگوں کی کتابوں میں اپنی طرف سے گھٹا بڑھا دیا کرتے تھے جس نے انھیں اپنی کتاب جلد باندھنے کے لئے یا خوشخط صاف کرنے کیلئے دی، بس اس کی کتاب کی شامت آگئی۔

جن منافقین و ملاحدہ کا یہ برتاؤ احادیث رسول اللہ صلعم کے ساتھ ہو وہ کتاب اللہ کو کب محفوظ چھوڑ سکتے تھے۔ چنانچہ کتاب اللہ کے ساتھ بھی ان منافقین و ملاحدہ نے کیا کچھ نہ کیا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ مگر آفتاب پر خاک ڈالنے سے آفتاب پر گرد نہیں پڑتی۔ باوجود اس کے کہ اختلاف قرأت کا ایک انبار ان مفسدین نے لگا دیا اگر قرآن مجید حفاظت الٰہیہ کے ماتحت عہد نبوی سے آج تک صرف ایک ہی قرأت ثابتہ صحیحہ و متواترہ کے ساتھ قراءۃً، تلاوۃً، تعلیماً، تعلماً، حفظاً، کتابۃً اور پھر طباعۃً چلا آرہا ہے۔ اور ساری دنیائے اسلام میں صرف اسی ایک قرأت متواترہ قدیمہ کے مطابق لکھا اور پڑھا جا رہا ہے اور جب سے طباعت کا فن ایجاد ہوا اسی ایک قرأت کے مطابق ہر جگہ چھپ رہا ہے۔

قرآن مجید کے قدیم تاریخی نسخے دنیا کے بڑے بڑے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ حضرت عثمان ذی النورین، حضرت علی مرتضیٰ رض اور بعض دوسرے صحابہ اور بعض ائمہ اور بعض تابعین و اتباع تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کے مبارک ہاتھوں کے لکھے ہوئے نسخے بھی موجود ہیں مگر ان سبھوں کے درمیان ایک نقطے کا بھی فرق نہیں ہے اور ان نسخوں میں اور آجکل جو دنیائے اسلام میں نسخے مسلمانوں کے مکانوں اور کتب فروشوں کی دکانوں میں موجود ہیں۔ ان میں کسی طرح کا بھی کوئی اختلاف ہے۔

صحیح ہے کہ بعض قدیم نسخوں میں نقطے اور اعراب نہیں ہیں مگر جن نسخوں میں نقطے اور اعراب دیئے ہوئے ہیں ان سے ان کو مختلف کہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے جہاں تمام نقطے دیئے نسخوں میں یعلمون یائے تحتانیہ سے ہے وہاں بے نقطے والے نسخوں میں

خواہی نخواہی تائے فوقانیہ سے تعلمون پڑھنا ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی طرح جہاں تمام اعراب دیئے ہوئے نسخوں میں یَحْسَبُوْنَ کی سین کو فتحہ ہے وہاں بغیر اعراب والے نسخوں میں خواہ مخواہ یَحْسِبُوْنَ کی سین کو کسرہ دیکر پڑھنا بے حیائی کے سوا اور کیا کہا جائے گا؟

قرآن مجید کے بعض نسخے عوام میں مشہور ہے کہ پٹنہ (صوبہ بہار) کی مشہور عالم خدا بخش خان بہادر سی آئی ای مرحوم کی اورنٹیل لائبریری میں قرآن مجید کا ایک ایسا نسخہ ہے جو شیعوں کی روایت کے مطابق چالیس پاروں کا ہے۔ یہ محض افترا اور بہتان ہے۔ اگرچہ ایک مدت ہوگئی مگر میں نے خود اپنی آنکھوں سے اس نسخے کو دیکھا ہے پورا قرآن مجید صحیح قرأت متواترہ کے مطابق لکھا ہوا ہے۔ آخر کتاب میں کچھ اوراق پر شیعوں کے مطابق روایات سے نکال نکال کر کچھ الفاظ اور کچھ عبارتیں لکھکر ان کی نشاندہی کی ہے کہ یہ لفظ فلاں سورہ میں فلاں جگہ پر فلاں آیت میں فلاں لفظ کے بعد تھا جس کو نکالنے والوں نے نکال دیا۔ اور فلاں سورہ میں فلاں جگہ پر یہ عبارت بھی تھی وغیر ذلک۔ اور بعض طویل عبارتیں بھی ہیں جن کا نام سورۃ ولایت وغیرہ رکھ دیا ہے۔ غرض یہ سارا اضافہ چند اوراق پر اخیر میں ہے نفس قرآن مجید میں ان اضافوں کو داخل کرنے کی ہمت اس کاتب خبیث کو بھی نہ ہوئی۔

اسی طرح ایک نسخے کا ذکر خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی نے اخبار منادی میں کیا تھا جس کو بیس برس کم و بیش ہوئے کہ وہ نسخہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ترتیب دی ہوئی آیتوں اور سورتوں کے مطابق ہے۔ میں نے اس نسخے کو خود دیکھا نہیں ہے کہ میں اس کی حقیقت پر روشنی ڈالوں۔ مگر عقل و درایت سب سے بڑھ کر ہے عقل سلیم اس شخص سے جو اس کو حضرت علیؓ کا ترتیب دیا ہوا نسخہ یقین کر رہا ہے حسب ذیل سوالات کرتا ہے۔

(۱) یہ نسخہ جس کے پاس ہے، اس کے پاس کس سلسلے سے پہنچا؟

(۲) اس نسخے پر حضرت علی مرتضیٰؓ ان کے صاحبزادوں، ان کے پوتوں اور پھر ان کی اولاد کے دستخط اور مہریں بھی ہیں یا نہیں؟ نہیں ہیں تو کیوں؟ اور اگر ہیں تو ان کی صحت کی کیا دلیل ہے؟

(۳) حضرت علی مرتضیٰؓ کی شہادت ۴۰ھ میں ہوئی تھی۔ اگر یہ نسخہ انھیں کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے تو یقیناً ۴۰ھ سے پہلے کا لکھا ہوا ہوگا۔ اس نسخے کا ذکر ان کی اولاد اور احفاد میں سے کبھی کسی نے کہیں کیا یا نہیں؟ نہیں کیا، تو کیوں؟ اور کیا تو کہاں کیا؟ کس کتاب میں اس کا ذکر ہے؟

(۴) حضرت علی مرتضیٰؓ کے متعلق یہ روایت ناقابل اعتبار ضرور ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ جب خلیفہ منتخب ہو چکے تو حضرت علیؓ گوشۂ عزلت میں بیٹھ گئے اور نماز کے وقتوں کے سوا اور کسی وقت گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے، کسی نے حضرت صدیق اکبرؓ سے کہا کہ وہ آپ کی خلافت کو پسند نہیں کرتے اس لئے گھر سے باہر نہیں نکلتے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے ان سے پوچھا بھیجا۔ انھوں نے کہا کہ میں نے یہ عہد کیا ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کر لوں گا اپنی چادر نہ اوڑھوں گا بجز نماز کے وقتوں کے۔ میں جمع قرآن میں

رفتارِ عالم

طے شدہ معاہدہ کے مطابق کوریا کی جس موتمر سیاسی کو ۲۸ اکتوبر کو انعقاد پذیر ہو جانا چاہیئے تھا آج تک اس کے متعلق نہ یہ طے ہو سکا ہے کہ اس کی ترکیب کیا ہو، نہ یہ متعین ہو سکا ہے کہ وہ کب منعقد ہو اور کہاں۔ کیمونسٹ نمائندوں نے اب تک سارا زور اسی پر صرف کیا ہے کہ اقوام متحدہ اس فیصلہ کے برخلاف کہ شرکائے کانفرنس متحارب اقوام پر ہی مشتمل ہوں، اس میں غیر جانب دار بھی شامل کر لئے جائیں۔ اقوام متحدہ کے نمائندوں نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ اور جب اقوام متحدہ نے یہ فیصلہ کیا کہ کانفرنس کی ترکیب تو وہی ہو گی جس کا فیصلہ کیا جا چکا ہے، البتہ اگر کیمونسٹ چاہیں تو اپنی طرف سے اپنے نمائندوں کی حیثیت سے اوروں کو بلا سکتے ہیں۔ یہ شرط کیمونسٹ نمائندوں کے لئے یقیناً قابل قبول نہیں ہو سکتی کیونکہ گو وہ اس طرح روس اور دیگر غیر جانب دار ممالک کو شریک کانفرنس رکھیں اس طرح روس کا آنا ان کے لئے مفید نہیں ہو سکتا کیونکہ روس ان کے نمائندہ کی حیثیت سے آئے گا نہ کہ غیر جانبدار کی حیثیت سے۔

کانفرنس کے انعقاد کے سلسلہ میں ایک الجھن یہ بھی آپڑی کہ آیا اس کی ترکیب و تشکیل کا تصفیہ پہلے کر لیا جائے یا اس کے وقت اور مقام کا تعین پہلے کیا جائے کیمونسٹ ترکیب کا مسئلہ سب سے پہلے حل کرنا چاہتے تھے اور نمائندگان اقوام متحدہ وقت اور مقام کا تعین پہلے کرنا چاہتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک تشکیل کا معاملہ طے شدہ تھا۔ اس تعطل کو اب یوں رفع کیا گیا ہے کہ کانفرنس کے یہ دونوں پہلو بیک وقت زیر بحث لائے جائیں اور اکٹھے طے کئے جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ اب مذاکرات کا یہ نیا دور نتیجہ خیز ثابت ہو کیونکہ امریکہ کے رویہ میں بھی کچھ ایسی تبدیلی نظر آتی ہے جو کیمونسٹوں کے لئے قابل قبول ہو سکتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امریکہ کانفرنس کے انعقاد کے وقت اس امر پر راضی ہو سکتا ہے کہ غیر جانب دار کمیشن (وہ پنج ارکانی کمیشن جو ہندوستان کی سرکردگی میں جنگی قیدیوں کی واپسی کا معاملہ سلجھا رہا ہے) کو بھی کانفرنس میں مبصر کی حیثیت سے شامل ہونے کی اجازت دے دی جائے۔ بہرحال امریکہ اس قسم کی رعایت کانفرنس شروع ہونے کے بعد دینا چاہتا ہے نہ کہ ابھی۔ یہ تجویز مفاہمت کی ایک صورت ہے گو اس میں روس کا داخلہ خارج از بحث ہے۔ اقوام متحدہ کے امریکی نمائندے مسٹر ڈین نے آخری مرتبہ جب کیمونسٹوں کا یہ مطالبہ رد کیا کہ غیر جانب دار ممالک بھی شریک موتمر ہو سکیں تو اس نے یہ یقین دلایا کہ آگے چل کر جب موتمر کوریا سے متعلق کچھ کارروائی کر چکی ہو گی، امریکہ اپنی جانب کے شرکائے موتمر کے سامنے یہ تجویز پیش کرے گا کہ وہ مزید ــــ یعنی غیر جانبدار ــــ ممالک کی شرکت پر غور کریں۔ یہ رعایت کیمونسٹوں کو مطمئن نہیں کر سکتی اس میں ایک موہوم وعدہ ہے جس کی تکمیل کے امکانات یقینی نہیں۔

جنگِ امن

کوریا کے محدود محاذ پر جو جنگ "امن" لڑی جا رہی ہے ویسی جنگ بساطِ عالم پر بھی لڑی جا رہی ہے۔ مغربی اقوام نے روس کو لوگانو کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی تھی تاکہ دول اربعہ جرمنی اور آسٹریا سے متعلق کچھ تصفیہ کر سکیں اس کانفرنس کی تاریخ انعقاد ابتداءً ۱۰ اکتوبر مقرر کی گئی تھی پھر اسے ۹ نومبر تک ملتوی کیا گیا، لیکن روس نے اس دعوت کو مسترد کر دیا۔ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ دولِ اربعہ کی بجائے دول خمسہ (بشمول کیمونسٹ چین) کی کانفرنس منعقد ہو اور اس کا کوئی طے شدہ لائحہ عمل نہ ہو بلکہ اس میں حسب ضرورت تمام ایسے عالمی مسائل کو زیر بحث لایا جا سکے جو بین الاقوامی کشیدگی پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ ظاہر ہے کہ

اقوام مغرب اس دعوت کو قبول نہیں کر سکتیں لیکن موجودہ بین الاقوامی سیاست کے پس منظر میں یہ تعطل تا دیر برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔ اس وقت کرۂ ارض دو متخاصم فریقوں میں منقسم ہے اور ان میں سے ہر ایک فریق جنگی اسلحہ میں غرق ہوتا جا رہا ہے۔ اسلحہ کی رفتارِ پیداوار خوفناک حد تک تیز ہو چکی ہے اس میں خطرناک اضافہ ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کی ایجاد نے کیا ہے۔ ہمہ گیر تباہی کے یہ نئے حربے نہ محض دریافت ہو چکے ہیں بلکہ ان کے بہت بڑے ذخیرے تیار ہو چکے ہیں۔ چرچل کو ہلاکت کے ان بے پناہ آلات میں امید کی کرن نظر آتی ہے کہ شاید تباہی کا خوف ہی انسان کو مصالحت کی غیر متوقع فضا بخش دے لیکن بہرحال یہ معاملہ کا ایک پہلو ہے اس کے تاریک پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اسلحہ کی یہ دوڑ بجائے خود جنگ کی طرح ڈال سکتی ہے اور اگر ایک مرتبہ موت کا کھیل شروع ہو گیا تو اس سے بچنا محال ہو جائیگا۔

برمودا کانفرنس

چنانچہ چرچل کی انتہائی کوشش ہے کہ دولِ اربعہ کی قائدین کی کانفرنس منعقد ہو تاکہ جنگ کے امکانات کم کئے جا سکیں۔ چرچل نے مئی میں اپنی بیماری سے پیشتر یہ تجویز پیش کی تھی کہ مالنخوف سے ملاقات کی جائے اور اسٹالین کی موت سے روس میں جو نمایاں تبدیلی واقع ہوئی ہے اس سے فائدہ اٹھایا جائے اس وقت امریکہ نے اس تجویز کی تائید نہ کی۔ چنانچہ یہ طے ہوا کہ برمودا میں امریکہ، انگلستان اور فرانس کے قائدین اعلیٰ کی ایک موتمر طلب کی جائے تاکہ مالنخوف سے ملاقات کرنا پڑے تو اس سے پہلے اپنے اختلافات رفع ہو جائیں۔ یہ کانفرنس جولائی میں ہونی قرار پائی تھی لیکن چرچل کی علالت سے معرض التوا میں پڑ گئی۔ اب یہی ملتوی شدہ کانفرنس ۴ سے ۹ دسمبر تک برمودا میں ہی منعقد ہو رہی ہے۔ روس اس قسم کی کانفرنس کا شدید مخالف ہے۔ انہی دنوں روس کے وزیر خارجہ مالوٹوف نے اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے بین الاقوامی کشیدگی میں اور اضافہ ہوگا۔

اس کانفرنس کا کوئی متعین ایجنڈا نہیں۔ لیکن جن حالات میں اس کا انعقاد عمل میں لایا جا رہا ہے ان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بین الاقوامی سیاست کے تمام پہلوؤں کا اس میں جائزہ لیا جائے گا۔ یہ کانفرنس مالنخوف سے ملاقات کا پیش خیمہ ثابت ہوگی یا نہیں۔ اس سے متعلق کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ چرچل اس ملاقات پر بہت زور دے رہا ہے اس نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اگر مجھے مالنخوف سے تنہا ملاقات کرنی پڑی تو بھی میں دریغ نہیں کروں گا۔

تحدید اسلحہ

اسی ضمن میں تحدید اسلحہ کا مسئلہ بھی ان دنوں اقوام متحدہ میں ابھر کر سامنے آیا۔ تحدید اسلحہ کا معاملہ گزشتہ سات سال سے اقوام متحدہ کے پیشِ نظر ہے۔ ہنوز روز اول والی بات ہے۔ اس کی مقرر کردہ مجلسِ تحدید اسلحہ دو سال سے کوشش بیہودہ میں مصروف ہے۔ فریقین اسلحہ میں تخفیف چاہتے ہیں مگر وہ کسی ایک لائحہ عمل پر متفق نہیں ہو سکے۔ روس کا مطالبہ یہ ہے کہ ایٹمی آلات کو فی الفور ممنوع قرار دے دیا جائے اور دیگر اسلحہ میں ایک تہائی کی تخفیف کر دی جائے۔ اقوام مغرب اس کے برعکس پہلے یہ جاننا چاہتی ہیں کہ ہر قوم کے پاس اسلحہ ہے کس قدر تاکہ یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ کس قدر تخفیف کی گنجائش ہے۔ مغرب روس کے مطالبے سے متفق نہیں اور روس مغربی تجویز کا مؤید نہیں۔ یہ تعطل جاری ہے اور بظاہر جاری رہتا نظر آتا ہے۔ اب کے یہ معاملہ اقوام متحدہ کی سیاسی کمیٹی میں پیش ہوا تو یہ قرارداد منظور ہوئی کہ مجلس تحدید اسلحہ کو اپنی مساعی جاری رکھنی چاہئیں تاوقتیکہ تخفیف اسلحہ کا مقصد پورا ہو جائے مجلس کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ یکم ستمبر ۱۹۵۴ء تک اپنی رپورٹ پیش کرے۔ یہ فیصلہ سوائے اعتراف عجز کے اور کیا ہو سکتا ہے! بہرحال ایک سال کے لئے تو بات ٹل گئی۔

ٹریسٹ کا قضیہ جس نے بساطِ یورپ پر کافی چہل پہل پیدا کر دی تھی کچھ اعتدال پر آتا نظر آتا ہے۔ مارشل ٹیٹو کا غیظ و غضب جس نے شروع شروع میں مغربی اقوام پر ان کا اعتماد متزلزل کر دیا تھا اب کم ہو رہا ہے وہ اب جنگ کی بجائے مصالحت کی گفتگو کر رہے ہیں اطالوی حلقوں میں البتہ اس ضمن میں کافی ہنگامہ آرائی کی گئی۔ خود ٹریسٹ میں بھی اور روم میں باقاعدہ بلوے ہوئے جن کا نشانہ بیشتر برطانوی تھے کیونکہ اہل اطالیہ کو یہ گمان ہے کہ برطانیہ ان کے رستے میں حائل ہے اٹلی کے وزیر اعظم نے امریکہ اور انگلستان کو یہ دھمکی دی کہ اگر ٹریسٹ کا علاقہ ان کے سپرد نہ کیا گیا تو وہ وزارت سے مستعفی ہو جائیں گے مارشل ٹیٹو

کے شور کا یہ اثر ہوا ہے کہ امریکہ اور انگلستان نے فوری انخلاء کا خیال ترک کر دیا ہے اور اب اس تجویز پر غور ہو رہا ہے کہ ٹریسٹ کا تصفیہ دولِ خمسہ یعنی امریکہ، برطانیہ فرانس، یوگوسلاویہ اور اٹلی کے باہمی مذاکرات سے ہونا چاہیئے۔ اس تجویز سے اس قضیہ کے پرامن طریق سے طے پانے کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔

فرانس کی کشمکش

جنوب مشرقی ایشیا میں ویٹ نام کی جنگ ایک نئے دور میں داخل ہو رہی ہے ویٹ نام کی فوجیں فرانس کے خلاف بدستور مصروفِ پیکار ہیں۔ گو بعض مواقع پر فرانس کو کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے لیکن بہ حیثیت مجموعی فرانس کا دم اکھڑتا جا رہا ہے جنگِ عظیم کا پٹا ہوا یہ ملک ابھی تک ان زخموں سے جانبر نہیں ہو سکا جو اس کی پسپائی اور شکست کا باعث بنے تھے۔ اب یہ مردِ بیمار ان حوادث کی تاب نہیں لا سکتا۔ جو شمالی افریقہ اور جنوب مشرقی ایشیا میں اس کے خلاف برپا ہو رہے ہیں۔ ویٹ نام کی جنگ اب اس مقام پر جا پہنچی ہے کہ فرانس میں عام واویلا ہو رہا ہے کہ اسے بند کر دیا جائے۔ ہر چند یہ جنگ فرانس کے لئے کمر شکن ہے مگر اسے ختم کرنا فرانس کے بس کی بات نہیں۔ کیونکہ اگر یہ جنگ ختم کر دی جائے تو اس کا نتیجہ اقوامِ مغرب کے خلاف ہوگا۔ امریکہ اس جنگ کو کمیونزم کے خلاف جنگ تصور کرتا ہے اور گو وہ براہ راست اس جنگ میں شریک نہیں ہوا۔ وہ بالواسطہ فرانس کی پیٹھ ضرور ٹھونک رہا ہے اور یورپ میں اس کی مدد پیسے اور اسلحہ سے کر رہا ہے۔ اختتامِ جنگ کی صورت میں کمیونزم کے خلاف یہ اہم مورچہ ختم ہو جائے گا جس سے ایشیا میں کمیونزم کے لئے راستہ صاف ہو جائے گا۔ اب فرانس کے لئے مشکل اندر مشکل ہے وہ جنگ جاری رکھنے کے قابل نہیں اور جنگ کے خاتمہ میں اسی کی ہی نہیں بلکہ تمام اقوامِ مغرب کی شکست ہے:

"نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن"

اس الجھن کے حل کی ایک صورت یہ نکالی گئی ہے کہ ویٹ نام کی تینوں حکومتوں (ویٹ نام، کمبوڈیا اور لاؤس) کو خود مختاری دے دی جائے فرانس نے اس ضمن میں کچھ اقدام کر کے بزعمِ خویش ان سلطنتوں کو اصلاحات سے بھی نوازا ہے مگر وہ اتنی ناکافی ہیں کہ ان سے مرض کا کوئی مداوا نہیں ہو سکتا۔ فرانس وسیع اصلاحات دینا بھی نہیں چاہتا۔ کیونکہ اگر وہ ویٹ نام میں سیاسی خود مختاری دے دے تو لامحالہ اس کا اثر شمالی افریقہ پر پڑے گا۔ فرانس یہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتا کہ ویٹ نام کو بھی ہاتھ سے کھوئے اور مراکو اور ٹیونس کو بھی۔ اسی سال گرمیوں میں جب یکایک لاؤس میں ہنگامہ جدال و قتال گرم ہو گیا تو اس کے ہمسایہ سلطنت کمبوڈیا کے بادشاہ نے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر اس کے ملک کو مکمل آزادی نہ دی گئی تو لاؤس کی شکست کے بعد اس کی حکومت میں بغاوت ہو جائے گی جس کا تدارک ناممکن ہوگا بس کے ساتھ ہی اس نے ڈرامائی انداز میں دارالحکومت کو خیرباد کہہ دیا اور اپنے آپ کو یہ کہہ کر "جلاوطن" کر لیا کہ جب تک فرانس آزادی نہیں دے گا وہ دارالحکومت میں واپس نہیں آئے گا چنانچہ چھ ماہ کی جلاوطنی کے بعد شاہ کمبوڈیا اپنے دارالحکومت میں واپس آیا ہے کیونکہ فرانس سے معاہدہ ہو گیا ہے جس کی رو سے فوجی، عدالتی اور پولیسی اختیارات کمبوڈیا کو حاصل ہو گئے ہیں گو یہ خود مختاری کی طرف ایک قدم ہے لیکن اتنا ناکافی ہے اور اس سے خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہو سکے گا۔ ان اصلاحات سے فرانس کے خلاف جذبات اور ابھریں گے اور لڑائی بند ہونے کے امکانات زیادہ نہیں ہوں گے گویا بدلی سے جو علاج تجویز کیا گیا ہے اس سے مرض میں اضافہ ہوگا نہ کہ افاقہ۔

برما کی مشکل

ویٹ نام کے حالات کا اثر ہمسایہ ممالک پر بھی پڑے گا۔ ان میں قابلِ ذکر برما ہے۔ برما کا پیچیدہ ترین مسئلہ چیانگ کائی شیک کی وہ بارہ ہزار فوج جو چین میں شکست کھا کر برما میں پناہ گزین ہو گئی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ اس نے برما ہی میں جنگ کی طرح ڈال دی اپریل میں اس کے متعلق اقوامِ متحدہ نے فیصلہ کیا تھا کہ امریکہ کی نگرانی میں مذاکرات کئے جائیں اور ان کو برما سے نکال دیا جائے۔ چھ ماہ کی جدوجہد کے بعد بارہ ہزار میں سے صرف دو ہزار کے انخلاء کا فیصلہ ہو سکا اور وہ بھی حسبِ منشا سرانجام نہ دیا جا سکا۔ نیشنلسٹ چین کے رویہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ ان فوجوں کو

برما سے نکالنا نہیں چاہتا کیونکہ وہ انہیں کمیونسٹ چین کے خلاف حملے کے لئے تیار رکھنا چاہتا ہے لیکن برما کے لئے یہ صورت ازحد خطرناک ہے ان فوجوں نے اندرونی بدامنی کی نمایاں صورت پیدا کر رکھی ہے جب تک یہ فوجیں موجود ہیں برما میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ برمی اس صورت حال کی ذمہ داری امریکہ پر رکھ رہے ہیں کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ اگر امریکہ حکومت فارموسا کی پیٹھ نہ ٹھونکے تو اس کی طرف سے عدم مفاہمت کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔

مشرق وسطیٰ کا اضطراب

جنوب مشرقی ایشیا کی طرح مشرق وسطیٰ بھی گہرے اضطراب میں ہے اور جو مسائل اسے وقفِ التہاب بنا رہے ہیں ان کے حل کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ ایران کا معاشی بحران لاینحل ہے۔ اب بحران سے دوچار ہونے کے باوجود بدقسمت ملک خانہ جنگی کا شکار ہے اس کی ساری قوتیں اندرونی نزاع میں ضائع ہو رہی ہیں اس پیکار کا نتیجہ خوش آیند نظر نہیں آتا۔ ایران ایسے قائد سے محروم ہے جو اس کا سفینہ سنبھال کر ان طوفانوں سے بچا کر کسی ساحل تک لے جائے ڈاکٹر مصدق کی قیادت کے دوران میں ملک یکسوئی سے ایک مسئلہ کے حل میں مصروف نظر آتا تھا اب وہ یکسوئی بھی مفقود ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ علتِ مرض کا ازالہ نہ اس سے ہوا نہ اب ہی اس کی توقع کی جا سکتی ہے حکومت ایران کی ساری کوششیں ان دنوں ڈاکٹر مصدق کے مقدمے پر مرکوز ہیں ان کے خلاف شاہ کی حکم عدولی اور خلاف آئین مجلس ختم کرانے کے الزامات ہیں اور موت کی سزا کا مطالبہ کیا گیا ہے ڈاکٹر مصدق نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے کہ وہ ملک کے غدار ہیں چنانچہ انھوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ اگر جیسا کہ ان کے حامی مطالبہ کر رہے ہیں کہ انھیں شاہ نے معافی دے دی تو وہ خودکشی کر لیں گے کیونکہ معافی کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ مجرم ہیں وہ اپنے آپ کو مجرم نہیں کہلاتے۔ ملک میں ان کی حمایت میں جابجا ہنگامے ہوتے رہتے ہیں۔ اور بعض مقامات حتیٰ کہ طہران تک میں اچھا خاصا کشت و خون ہو جاتا ہے ڈاکٹر مصدق بجا طور پر اسے اپنی حمایت تصور کرتے ہیں اور عدالت میں بطور شہادت پیش کرتے ہیں۔ جنرل زاہدی کی حکومت اسے کمیونسٹوں کی کارستانی سمجھتے ہوئے کمیونسٹوں کے استیصال پر توجہ صرف کر رہی ہیں اور انھیں خلاف قانون قرار دینے اور دار و گیر میں مصروف ہے کمیونسٹ ہر چند خلاف قانون ہیں لیکن مصدق کے مقدمے میں ان کے لئے ہنگامہ خیزی کی بہت گنجائش ہے اور وہ اس کا فائدہ اٹھا رہے ہیں ملک رفتہ رفتہ کمیونسٹوں کے زیر اثر جا رہا ہے اور بظاہر اس سے بچنا آسان نظر نہیں آتا۔

مصر و سوڈان کی جدوجہد

مصر کا تعطل بھی بدستور ہے بظاہر انگلستان اور مصر کے نمایندے انخلاء سویز سے متعلق گفتگو کر رہے ہیں مگر گفتگو کے بارآور ہونے کی توقع نہ ہونے کے برابر ہے اس سے پیشتر ان کے نتیجے سے جو خوش فہمی وابستہ کی جا رہی تھی وہ ختم ہو چکی ہے۔ مصری نمایندے اعلانیہ طور پر اپنے اضطراب کا اظہار کر رہے ہیں۔ کرنل حسین الشافعی، ایک فوجی نمایندے نے حال ہی میں یہاں تک کہہ دیا کہ سویز کی جنگ ناگزیر ہے اور اس کے لئے تاریخ بھی مقرر کر دی گئی ہے نیز یہ جنگ توقعات کے خلاف بہت جلد لڑی جائے گی۔

انگلستان و مصر کا سوڈانی تنازع بھی نئی منزل میں داخل ہو رہا ہے۔ سوڈان کے نئے آئین کے مطابق انتخابات شروع ہو گئے ہیں بلکہ جنوبی سوڈان میں جہاں کی آبادی پس ماندہ قبائل پر مشتمل ہے انتخابات مکمل بھی ہو گئے ہیں ان انتخابات میں برطانیہ کو توقع اور کوشش کے باوجود خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی چنانچہ انگلستان کے وزیر خارجہ مسٹر ایڈن نے مصر پر الزام لگایا ہے کہ وہ انتخابات میں مداخلت کر رہا۔ مصر کو برطانیہ سے بھی یہی شکایت ہے بلکہ مصری حکومت نے دستاویزات کی بنا پر برطانیہ پر مداخلت کا الزام لگایا ہے۔ سوڈان میں برطانیہ کا رویہ جس قسم کا رہا ہے اس کے پیش نظر اس کی انتخابات میں مداخلت مطلقاً حیران کن نہیں ہے اس نے اب تک ہر قسم کے حیلوں اور بہانوں سے سوڈان پر اپنا قبضہ برقرار رکھنا چاہا۔ لیکن سوڈان ثابت کر رہا ہے کہ برطانیہ کا اقتدار چند روزہ ہے۔

یہودی فتنہ

ممالک عربیہ کے لئے سب سے زیادہ پریشان کن مسئلہ یہودیوں کا ہے جنھوں نے پھر جنگ کے شعلے بھڑکانے شروع کر دیئے ہیں ایک طرف اسرائیلی حکومت نے دریائے اردن کا رخ بدل دینے کے لئے کام شروع کر دیا اور دوسری طرف اردن کی سرحد میں داخل ہو کر تین گاؤں میں جن میں سے ایک کا نام قبیہ تھا کوئی ساٹھ آدمیوں کو ہلاک کر دیا۔ عربی احتجاج پر یہ معاملہ اقوام متحدہ تک پہنچا دیا گیا ہے۔ امریکہ اور انگلستان نے ان اسرائیلی اقدامات کو سنگین قرار دیا اور امریکہ نے غصے میں آکر مالی امداد تک ملتوی کر دی۔ اس سے پہلے مصالحتی کمیشن کی طرف سے اسرائیل کو کہا گیا تھا کہ وہ دریائے اردن پر کام بند کر دے مگر اس نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ البتہ امریکہ نے جب مالی امداد ملتوی کی تو اس نے کام بند کر دیا اور اس پر امریکہ نے امداد پھر شروع کر دی۔ امریکہ کا یہ عارضی غصہ اسرائیلی حکومت کی پالیسی پر یقیناً کوئی مستقل اثر نہیں پیدا کر سکتا۔ اور اس سے وہ خطرہ ہرگز نہیں ٹل سکتا جو اسرائیل کے قیام سے عالم عرب کے لئے پیدا ہو گیا ہے۔ یہ خطرہ کس قدر حقیقی ہے اس کا اندازہ اس طولانی رپورٹ سے ہوتا ہے جو نگران امن جنرل بینک نے اقوام متحدہ کو پیش کی اس میں انھوں نے حادثہ قبیہ کو تیز بخار کا نکتہ آخری قرار دیا۔ اور اس کی ساری ذمہ داری اسرائیلیوں پر عائد کی۔

یوں تو اسرائیل کا وجود ہی ممالک عربیہ کے لئے مستقل خطرہ ہے لیکن اسرائیلی عرب تعلقات کے پیش نظر دو امور خصوصی اہمیت رکھتے ہیں پہلا مسئلہ کوئی ایک لاکھ مہاجر عربوں کا ہے جو یہودی سلطنت کے قیام کے بعد بے خانماں ہو گئے یہودی ان تباہ حال عربوں کو واپس لینے کے لئے تیار نہیں اور عرب انھیں اپنے ہاں بسا نہیں سکتے چنانچہ وہ جب سے بے گھر ہوئے ہیں ذلت اور محرومی کی زندگی گذار رہے ہیں ابھی دنوں اقوام متحدہ کی جماعت URWA نے جو اس کام پر مامور ہے یہ اعلان کیا ہے کہ ان مہاجرین کی بحالی ناممکن ہے۔ جب تک یہ ہجوم بے پناہ بحال نہیں ہو جاتا امن کی فضا قائم نہیں ہو سکتی دوسرا مسئلہ دریائے اردن کا ہے یہ دو سو میل لمبا دریا توانائی و آبپاشی کا بیش بہا منبع ہے یہودیوں کی اس پر خاص نظر ہے انھوں نے دولت اور علم کے زور پر اسے اپنا لیا تو اس سے عربوں کو بہت نقصان پہنچے گا۔ یہ دریا یہودیوں اور عربوں کے مابین مستقل وجہ نزاع بن گیا ہے۔ امریکہ کی کوشش ہے کہ اس کے استعمال کی ایسی صورت نکل سکے جس سے فریقین مطمئن ہو جائیں لیکن جانبین کی باہمی بد اعتمادی ایسے منصوبہ کی تکمیل میں بُری طرح حائل ہے۔

تسوید آئین

پاکستان میں مجلس دستور ساز کا اجلاس مشرقی پاکستان کے انتخابات کی بدولت غیر معین عرصے کے لئے ملتوی ہو گیا ہے قیاس کیا جاتا ہے کہ بجٹ سیشن کے بعد مجلس دستور ساز کا اجلاس طلب کیا جائے گا اور جولائی ۱۹۵۴ء تک سارا دستور مرتب کر لیا جائے گا اب تک مجلس نے بنیادی اصولوں کی سفارشات کی ایک سو تیں دفعات منظور کی ہیں اور آٹھ ارکان کی ایک کمیٹی بنا دی گئی ہے جو اس حصہ آئین کی تسوید کرے جو منظور ہو چکا ہے یہ رفتار ترقی مرہون منت ہے اس فارمولا کی جو وزیر اعظم محمد علی کی مساعی سے مرتب ہوا اور جو رسوائے دہر مساوات نیابت کا لازمی رخ ہے اس فارمولا سے آئین سازی کا کام تو رواں ہو گیا لیکن صوبائیت کے اس زہر کا توڑ ثابت نہیں ہو سکا جو مساوات نیابت نے پاکستان کے جسد سیاست میں داخل کیا گیا تھا بلکہ اس میں صوبائیت کے مسئلہ پر مفاہمت ہی روا رکھی گئی ہے اور جہاں تک منافقت کا تعلق ہے قدم قدم پر اس کا ثبوت دیا گیا ہے کسی جگہ جرأت سے واضح نصب العین، وابستگی اور ہمت کا مظاہرہ نہیں کیا گیا اور ایسا ہوتا بھی کیسے؟ اس اجلاس میں مشرقی بنگال کے نمایندگان اس عزم کے ساتھ شریک ہوئے تھے کہ وہ صوبائی مطالبات کو آئین کی اساس بنوائیں گے یہ عزم بدیں وجہ تھا کہ اس کارگذاری کی بنا پر وہ آنے والے انتخابات جیتنا چاہتے تھے چنانچہ جو بھی دفعات منظور ہوئی ہیں ان میں اسی امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ گویا مشرقی پاکستان اور مغربی دو علیحدہ ممالک ہیں اور وہ بعض امور کو مشترک رکھنا چاہتے ہیں ان مباحث (اور فیصلوں میں) صوبائیت کا یہاں تک مظاہرہ ہوا کہ فضل الحق صاحب نے اپنے صوبہ کے لئے مکمل خود مختاری کا مطالبہ کیا تاکہ وہ اپنے قوانین خود بنا سکیں۔ نور الامین صاحب نے یہ منظور کرا لیا کہ سال میں پارلیمان کا ایک اجلاس ضرور ڈھاکہ میں ہو

جب اس پر مالی نقطۂ نگاہ سے اعتراض کیا گیا تو بروہی صاحب نے فرمایا کہ چونکہ وفاقی مجلس مقننہ کو یہ اختیار دے دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو ڈھاکہ میں اجلاس نہ ہونے دے اس لئے گھبرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آئین میں اس گنجائش کے باوجود ڈھاکہ کا سیشن ناممکن بنایا جا سکتا ہے۔

اس سیشن کا غالباً سب سے اہم واقعہ ہندو ارکان دستوریہ کا فیصلہ عدم تعاون ہے انھوں نے یہ اعتراض کرنے کے بعد کہ ملک کا نام جمہوریہ اسلامیہ پاکستان رکھ دیا گیا ہے اور آئین کی اساس دو قومی نظریئے پر اٹھائی جا رہی ہے یہ اعلان کیا کہ وہ آئین سازی میں شریک نہیں ہو سکتے چنانچہ وہ مجلس سے باہر نکل گئے اور پھر نہیں آئے اس کا جواب بھی بروہی صاحب نے دیا اور انھیں کہا کہ آپ نام سے نہیں گھبرایئے کیونکہ نام میں کیا ہے حکومت کی پالیسی تو ہدایتی اصولوں کے مطابق ہو گی یہ جواب معذرت خواہانہ تھا۔ اور اس سے یوں ظاہر ہوتا تھا جیسے محض دکھانے کے لئے نام رکھ دیا گیا ہے ورنہ مقصد اسلامی جمہوریہ نہیں۔ حالانکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ عدم تعاون کرنے والے ہندوؤں کو یہ بتایا جاتا کہ پاکستان تو بنا ہی ان اصولوں کی خاطر ہے اس کے ساتھ ہی انھیں یہ بھی بتایا جاتا کہ نظام اسلامی میں ان کا مقام و درجہ کیا ہو گا اور وہ کس حد تک ان کے لئے خوش آیند ہو سکتا ہے۔

نظام اسلامی

آئین کے اسلامی ہونے کے ضمن میں یہ فیصلہ اہم ہے کہ کوئی ایسا قانون منظور نہیں کیا جائے گا جو "قرآن و سنت" کے منافی ہو۔ "قرآن و سنت" کا تعلق قارئین طلوع اسلام پر بخوبی واضح ہے کیونکہ اس کے صفحات میں اس پر شرح و بسط سے روشنی ڈالی جا چکی ہے اس سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو یہ سقم اپنی جگہ باقی رہتا ہے کہ قرآن تو ایک خاص کتاب کا نام ہے لیکن "سنت" کی تحت میں یہ نہیں بتایا گیا کہ اس سے مراد کون سی کتاب یا کتب ہیں چونکہ آخر کار یہ فیصلہ کہ آیا کوئی قانون "قرآن و سنت" کے مطابق ہے یا نہیں اعلےٰ عدالت کرے گی اس لئے یہ ضروری ہے کہ متعین کر دیا جائے کہ "سنت" سے مراد کیا ہے اور وہ کہاں مل سکتی ہے؟ یعنی اس کی کون سی مستند کتابیں ہیں یہ ضرورت اور اہم ہو جاتی ہے جب اس فیصلے کو دیکھا جاتا ہے کہ تمام مسلمہ اسلامی فرقوں کے عقائد و اعمال میں مداخلت نہیں ہو گی اور سنت کا مفہوم ہر فرقے کے مطابق ہو گا اس سے سنت کا مفہوم اور پریشان کن ہو جاتا ہے یہاں اس سے بحث نہیں کہ قرآن نے فرقہ بندی کی اس قدر مذمت کی ہے کہ اسے شرک تک کہہ دیا ہے لیکن ہمارے آئین ساز ایسا اسلامی آئین بنا رہے ہیں جو مسلمہ فرقوں کو آئینی حیثیت دے کر مستقل بنا دے گا۔ دوسری اسلامی شق یہ ہے کہ ایک محکمہ "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کا قائم کیا جائے گا جو مسلمانوں میں اسلام پر "وعظ" کیا کرے گا۔ گویا حکومت کی موجودگی میں جبکہ قوت نافذہ ہو گی ایک مجلس وعظ بنا دی جائے گی جو تبلیغ اسلام کرتی رہے گی اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کس قسم کی اسلامی حکومت تشکیل پا رہی ہے آنے والی اسلامی حکومت کا رہا سہا بھرم اس سے کھل جاتا ہے کہ یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ مالی امور "قرآن و سنت" والی شق سے مستثنےٰ ہوں گے یہ استثنار ۲۵ سال تک رہے گا اور اس کے بعد ختم نہیں ہو جائے گا بلکہ ایک کمیٹی مقرر کی جائے گی جو اس مسئلے پر غور کرے گی گویا ایسی اسلامی حکومت قائم ہو گی جس کی مالی اساس اسلامی نہیں ہو گی کیا اسے اسلامی نظام کہا جا سکتا ہے۔

مجلس دستور ساز کا اجلاس مشرقی پاکستان کے انتخابات کے لئے ہی ملتوی نہیں کیا گیا بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اجلاس منعقد ہی ان انتخابات کی خاطر کیا گیا تھا اس میں جو فیصلے ہوئے ہیں اور جس قسم کا آئین منظور ہوا ہے وہ انتخابات ہی کے مرہون منت ہیں گویا نور الامین اور ان کے ساتھیوں کی یہ کوشش رہی کہ اس کارگذاری کے زور پر انتخاب لڑے جائیں نہ کہ اس کارگذاری پر جو صوبائی حکومت چلانے میں دکھائی گئی ہے اس ضمن میں زبان کا مسئلہ سامنے آتا ہے اس کے متعلق کوئی فیصلہ منظر عام پر نہیں آیا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے ملتوی کر دیا گیا ہے لیکن بنگالی ارکان مختلف انداز سے باتیں کر رہے ہیں مشرقی پاکستان کے وزیر اور مجلس دستور ساز کے رکن مفیض الدین نے انہی دنوں اپنی تقریروں میں کئی بار دہرایا ہے کہ بنگالی قومی زبانوں میں سے ایک ہو گی

اور مجلس دستور ساز اس کا فیصلہ عنقریب کر دے گی وہ چونکہ مجلس دستور ساز کے رکن ہیں اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ ان کی تقریر میں اندرونی اطلاع پر مبنی ہوں گی۔ نورالامین نے بھی واپس جا کر کہا ہے کہ بنگالی صرف قومی زبان ہوگی اس کے مقابلہ میں ملک فیروز خان نون نے لاہور میں کہا ہے کہ دو قومی زبانوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا اس سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ قائدین پاکستان نے زبان کا فیصلہ نہیں کیا۔ اگر ایسی صورت ہے تو نورالامین اور ان کے احباب کس بنا پر کہہ رہے ہیں کہ زبانیں دو ہوں گی اگر ایسا نہیں ہے تو ملک نون کا اعلان کیا معنی رکھتا ہے بہرحال بنگالی ارکان کا مقصد ایسے بیانوں سے ظاہر ہے ان کی دیکھا دیکھی ان کے مخالفین ان سے بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے ہیں ابھی ابھی جناح عوامی لیگ کی دو روزہ کنونشن ختم ہوئی ہے اس کی صدارت مولانا بھاشانی نے کی جو صوبائی جماعت کے صدر ہیں حالانکہ جماعت کے کنونشن سہ روزہ اجلاس میں موجود تھے یہ بلاوجہ نہیں۔ بھاشانی صوبائی مطالبات میں زیادہ متشدد ہیں اور ان کی صدارت سے ہوا کے رخ کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے اس کے علاوہ مخالف پارٹیاں ایک متحدہ محاذ مسلم لیگ کے خلاف بنا رہی ہیں چونکہ مسلم لیگ کی قیادت کا سارا زور صوبائی مطالبات پر ہے اس سے مخالف جماعتیں اس سے زیادہ متشدد نظر آتی ہیں گویا انتخابات پاکستانی نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ متشدد صوبائیت کی فضا میں لڑے جا رہے ہیں۔ یہ انتخابات صوبائی عصبیت کو اس لئے بھی تقویت دیں گے کہ مشرقی پاکستان میں ہندو اقلیت تعداد اور حیثیت کے لحاظ سے بہت اہم ہے مخالف پارٹی کی خصوصی کوشش ہوگی کہ وہ انہیں ساتھ ملائیں تاکہ ان کی مدد سے مسلم لیگ کو شکست دیں اس تعاون سے پاکستانی مفاد پر ادور پڑے گی۔ ایک لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ انتخابات نہایت اہم ہوں گے کیونکہ ان کے دوران میں اور ان کے نتیجے سے پتہ چل جائے گا کہ مشرقی بنگال مرکز پاکستان سے کس قسم کا تعلق رکھنا چاہتا ہے اس کا اثر آئین پر بھی پڑے گا۔

ہندوؤں کے منصوبے

جس قسم کی اسلامی حکومت ہماری مجلس دستور ساز تیار کر رہی ہے اس پر سرسری نظر سے اوپر آ چکا ہے اس کے ساتھ ہندوؤں کے احتجاج اور عدم تعاون کا بھی ذکر آ چکا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مخالفین نظام اسلامی ان کوششوں کو بھی جو صحیح اسلامی نظام کے قیام پر منتج نہیں ہو سکتیں کس نظر سے دیکھتے ہیں یہ معاملہ زیادہ نکھر کر سامنے آ گیا ہے یوں تو ہندوستان کی فرقہ پرست ہندو جماعتوں نے اس پر کافی تنقید کی ہے لیکن خود پنڈت نہرو اپنے جذبات کو قابو میں نہیں رکھ سکے۔ ۱۵ نومبر کو انہوں نے ایک بیان میں "دقیانوسی اور غیر جمہوری" طرز حکومت کی مذمت کی۔ اور یہاں تک کہہ دیا کہ اس سے ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات خراب ہو جائیں گے اس بیان کا جو ہمارے معاملات میں مداخلت ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی سیاست میں پاکستان کو بدنام کرنے کی مذموم کوشش ہے ابھی تک کوئی نوٹس نہیں لیا گیا۔ نہرو ایک گہری چال چل رہا ہے اس کی یہ کوشش ہے کہ پاکستان اسلامی نظام حکومت قائم نہ کر سکے بلکہ وہ اسے عالم اسلامی اور دیگر اقوام سے علیحدہ کر رہا ہے اب وہ ترکی میں خاص طور پر پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ ترکی نے جس دقیانوسی ملائیت کے لبادہ کو تار تار کر دیا تھا پاکستان اسی کی بخیہ گری کر کے زیب تن کر رہا ہے دوسرے ممالک مسلمہ میں بھی یہی کچھ ہو رہا ہے ترکی میں پروپیگنڈے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کے ذریعے پاکستان اور امریکہ کے درمیان بھی اختلاف کی خلیج حائل کی جا سکتی ہے امریکہ کے پیش نظر مشرق وسطیٰ کے دفاعی نظام کی تجویز ہے جو مصری برطانوی تنازعہ کے باعث معرض عمل میں نہیں آ رہی ایسے نظام میں پاکستان کی دلچسپی ظاہر ہے ہو سکتا ہے کہ ایسی تجویز پر وے کار آئے تو پاکستان بھی اس میں شریک ہو جائے لیکن ہندوستان کی انتہائی کوشش ہے کہ نہ ممالک اسلامیہ متحد ہو سکیں نہ پاکستان کا ان سے کوئی اتحاد ہو سکے۔ چنانچہ وہ پہلے تو یہ پروپیگنڈا کرتا رہا کہ مشرق وسطیٰ کے دفاعی منصوبے میں اسے شریک ہونا چاہیے پھر اس نے یہ پینترا بدلا کہ اگر اس میں پاکستان کو شریک کیا گیا تو اس سے جنگ ہندوستان کے دروازے تک آن پہنچے گی لہٰذا وہ گوارا نہیں کر سکتا کہ پاکستان ایسے منصوبہ میں شریک ہو اب وہ اس کے ساتھ ساتھ یہ پروپیگنڈا بھی کر رہا ہے کہ امریکہ پاکستان میں فوجی معاہدہ ہونے والا ہے جس کی رو سے امریکہ پاکستان میں فوجی

اڈے قائم کرے گا۔ یہ پروپگنڈا اس شدت سے ہو رہا ہے کہ امریکہ کے لیڈروں کو اس کے متعلق بار بار وضاحت کرنی پڑی ہے کہ ایسا کوئی معاہدہ نہیں ہو رہا۔ ہندوستان بدستور وہی سُر الاپ رہا ہے آیا ایسا معاہدہ ہو رہا ہے یا نہیں اس کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن نہرو جس انداز سے پاکستانی سیاست میں دخیل ہو رہا ہے وہ خطرناک صورت ہے اور تعجب ہے کہ حکومت پاکستان نہرو کی اس غلط فہمی کو اب تک رفع نہیں کر سکی کہ وہ ہمارے ملک کے معاملات میں اس قدر دخیل نہیں ہو سکتا اگر یہ پروپگنڈا کامیاب ہو گیا تو پاکستان بین الاقوامی سیاست میں تنہا رہ جائے گا۔

ادارہ طلوعِ اسلام کی مطبوعات ایک نظر میں

معراجِ انسانیت — ترجمان حقیقت جناب پرویز صاحب کا قلم اور سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام خود قرآن کے آئینہ میں جو اپنی قسم کی پہلی کوشش ہے اور نہایت کامیاب انداز میں قریب پونے دو سو صفحات پر دنیا کے تمام مذاہب کی تاریخ اور تہذیب اپنی منظر بیسیوں عنوانات کے ماتحت سیرت حضور سرورِ کائنات جس میں دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریب ۱۰۰ سو صفحات کا غذ اعلیٰ ولایتی گلیز ڈ جلد مضبوط حسین گرد پوش مرصع دیدہ زیب ٹائیٹل و درمیع بہار کے عنوانات منقش و رنگین قیمت بیس روپے (علاوہ محصول ڈاک)

نوادرات — علامہ حافظ محمد اسلم صاحب کے نادر مضامین کا قابل قدر مجموعہ۔ ضخامت چار سو صفحات قیمت صرف چار روپے (علاوہ محصول ڈاک)

اسلامی نظام — دور حاضر کی ایک بلند پایہ کتاب جس میں بتایا گیا ہے کہ اسلامی مملکت کے نظام اور آئین کے بنیادی اصول کیا ہیں وہ نظام آج کس طرح قائم ہو سکتا ہے اس میں محترم پرویز صاحب اور علامہ محمد اسلم جیراج پوری کے وہ مقالات شامل ہیں جنہوں نے قوم کے سنجیدہ طبقے کے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں ضخامت ۱۸۰ صفحات مجلد مع گرد پوش۔ قیمت دو روپے (علاوہ محصول ڈاک)

قرآنی دستورِ پاکستان — آئینی جد و جہد کے سلسلے میں ادارہ طلوع اسلام کی پیشکش قرآن کی روشنی میں مسودات قرارداد مقاصد و بنیادی اصول و حقوق جو حکومت کے اعلان کے جواب میں بھیجے گئے ساتھ ہی حکومت کی جانب سے پاس کردہ قرارداد مقاصد اور بنیادی اصولوں کی پہلی رپورٹ پر قرآن کی روشنی میں تنقید، علمائے کرام کے بائیس نکات کا تجزیہ، اسلامی جماعت کی دستوری سفارشات پر تبصرہ۔ ضخامت ۲۲۴ صفحات مجلد مع گرد پوش قیمت دو روپے آٹھ آنے (علاوہ محصول ڈاک)

اسبابِ زوالِ امت — دور حاضرہ کی انقلاب آفریں کتاب مختصر مگر ہماری ہزار سالہ تاریخ کا نچوڑ جس نے قوم کے سنجیدہ تعلیم یافتہ طبقہ کے قلب و نگاہ میں انقلاب پیدا کر دیا۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ زندگی میں پہلی مرتبہ صحیح طور پر بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور اس کا علاج کیا۔ ضخامت ۱۵۰ صفحات۔ مجلد طلائی گرد پوش۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے (علاوہ محصول ڈاک)

تین اہم عنوانات — مُلا کے مذہب کے عجیب و غریب حقائق مثلاً (۱) تبدیل مذہب کرنے والوں کو قتل کر دیا جائے گا (۲) غلام و لونڈیاں بیحد و نہایت بلا نکاح حرم سراؤں کی زینت بنائی جاسکیں گی (۳) یتیم پوتوں کو وراثت سے محروم رکھا جائے گا قرآن کی روشنی میں ملا کے خود ساختہ مذہب کا ابطال اور تینوں مسائل کا حل اگر دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کو ملاحظہ فرمائیے ضخامت ۲۰۴ صفحات۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

سلیم کے نام خطوط — محترم پرویز صاحب کے قلم سے۔ ہمارے نوجوانوں کے دل میں اسلام کے متعلق جس قدر شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کا نہایت شگفتہ شاداب اور سائنٹفک انداز میں تسکین بخش جواب۔ عقائد و نظریات جیسے خشک اور نازک مسائل پر اس عمدگی سے بحث کی گئی ہے کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کس خشک فلسفیانہ بحث کو پڑھ رہے ہیں ضخامت بڑے سائز کے ۴۲۵ صفحات مجلد مع حسین گرد پوش۔ قیمت پانچ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

قرآنی فیصلے — دور حاضرہ کی ایک اہم کوشش جس میں روزمرہ زندگی کے تقریباً ساٹھ اہم مسائل کے متعلق قرآن کی روشنی میں بحث کی گئی ہے یہ کتاب آپ کو دوسرے سہاروں سے بے نیاز کر دے گی ضخامت ۴۰۰ صفحات۔ قیمت مجلد مع گرد پوش چار روپے (علاوہ محصول ڈاک)

جشنِ ماتم — بلند حقائق کا مجموعہ اور عبرت و موعظت کا مرقع یہ کتاب چھ سالہ دور آزادی کی چلتی پھرتی تاریخ ہے۔ ضخامت ۵۶ صفحات مجلد مع گرد پوش دو روپے آٹھ آنے علاوہ محصول ڈاک

روز مرہ زندگی کے اہم مسائل و معاملات کے متعلق

ھماری بصیرت کے مطابق

قرآنی فیصلے

دور حاضرہ کی عظیم الشان کوشش جس میں روزمرہ زندگی کے تقریباً سائھ اھم مسائل و معاملات کے متعلق قران کی روشنی میں بحث کی گئی ھے اور بتایا گیا ھے کہ ان مسائل و معالات میں قران کا فیصلہ کیا ھے۔ یہ کتاب آپ کو دوسرے تمام سہاروں سے بے نیاز کردیگی۔ اسے فقہ کی کتاب نہ کہئے۔ اس سے قران کی بصیرت افروز راہ نمائی حاصل ھوگی۔

ضخامت چار سو آٹھ (۴۰۸) صفحات۔ قیمت مجلد چار روپے (علاوہ محصول ڈاک)

ناظم ادارہ طلوع اسلام
کوی روڈ (صدر) - کراچی

طلوع اسلام کی نئی پیشکش

جشن نامے

یہ ایک عجیب و غریب کتاب ھے جس کی مثال ھمارے لٹریچر میں کہیں نہیں ملیگی۔ آزادی سے کیا مفہوم ھے جشن کسے کہتے ھیں جشن آزادی کیا ھوتا ھے طلوع اسلام نے ھر سال جشن آزادی کی تقریب پر کیا کیا مشورے دئے اور جشن منانے والوں کی نگاھوں کا رخ کس طرف پھیرا، یہ سب کچھ آپ کو اس نئی کتاب میں ملیگا۔ جس کا نام ھے۔

جشن نامے

یہ کتاب بلند حقائق کا مجموعہ اور عبرت و موعظت کا سرچشمہ ھے۔ شروع میں قریب پچاس عنوانات ایسے ھیں جنہیں پڑھکر بیک وقت آپ کے ھونٹوں پر مسکراھٹ اور آنکھوں میں آنسو آجائیں طنز و تنقید کے ایسے گہرے نشتر اور اثر و درد کے ایسے خونچکاں منظر شاید ھی کہیں مل سکیں۔ کتاب کیا ھے ھمارے چھ سالہ دور آزادی کی سچی خونی تاریخ ھے۔

ضخامت ۲۵۶ صفحات قیمت مجلد مع گردپوش دو روپے آٹھ آنے۔

بہت جلد منگا لیجئے کیونکہ کتاب محدود تعداد میں چھپی ھے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام
کوی روڈ (صدر) کراچی

REGD. NO. S. 1089

Read
The Times of Karachi

(WITH WHICH "EVENING TIMES" IS INCORPORATED)

AN INDEPENDENT NATIONAL DAILY

Editor: Z. A. SULERI

FOR ALL THE NEWS AND FEARLESS VIEWS
ATTRACTIVE MAGAZINE SECTION ON SUNDAY

روزنامہ

ٹائمز آف کراچی

(سابقہ ایوننگ ٹائمز)

کا مطالعہ آپکو دیگر اخبارات سے بے نیاز کردیگا۔

تازہ خبریں - بے لاگ تبصرے - معلوماتی مضامین
اتوار کو میگزین کے چار صفحات

ایڈیٹر: زیڈ - اے - سلیری

مینیجر ٹائمز آف کراچی
کراچی - ۱

Only Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Rd., Karachi and Text at Adabi Press, Robson Road, Karachi. Published by Said Ahmed from Tulu-e-Islam Office Kawi Road, Karachi.